ماہنامہ

اشراق

لاہور

دسمبر ۲۰۱۷ء

زیرسرپرستی

جاوید احمد غامدی

”... بندے کی دعا اگر اِس یقین کا بے تابانہ اظہار ہو کہ میرے لیے ایک ہی دروازہ ہے، اِس سے پہلے بھی یہیں سے پایا ہے اور اب بھی یہیں سے پاؤں گا تو اُس کے لیے خدا کی رحمت اُن گوشوں سے نمودار ہو جاتی ہے، جہاں سے اُس کو وہم وگمان بھی نہ ہو۔“

—— قرآنیات

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

المورد
ادارۂ علم و تحقیق

المورد ملت اسلامیہ کی عظیم علمی روایات کا امین ایک منفرد ادارہ ہے۔ پندرھویں صدی ہجری کی ابتدا میں* یہ ادارہ اِس احساس کی بنا پر قائم کیا گیا ہے کہ تفقہ فی الدین کا عمل ملت میں صحیح نہج پر قائم نہیں رہا۔ فرقہ وارانہ تعصّبات اور سیاست کی حریفانہ کشمکش سے الگ رہ کر خالص قرآن وسنت کی بنیاد پر دین حق کی دعوت مسلمانوں کے لیے اجنبی ہو چکی ہے۔ قرآن مجید جو اِس دین کی بنیاد ہے، محض حفظ و تلاوت کی چیز بن کر رہ گیا ہے۔ دینی مدرسوں میں وہ علوم مقصود بالذات بن گئے ہیں جو زیادہ سے زیادہ قرآن مجید تک پہنچنے کا وسیلہ ہو سکتے تھے۔ حدیث، قرآن وسنت میں اپنی اساسات سے بے تعلق کر دی گئی ہے اور سارا زور کسی خاص مکتب فکر کے اصول و فروع اور دوسروں کے مقابلے میں اُن کی برتری ثابت کرنے پر ہے۔

المورد کے نام سے یہ ادارہ اِس صورت حال کی اصلاح کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اِس ادارے کا بنیادی مقصد دین کے صحیح فکر کی تحقیق و تنقید، تمام ممکن ذرائع سے وسیع پیمانے پر اُس کی نشرواشاعت اور اُس کے مطابق لوگوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہے۔

اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے، اُس کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ عالمی سطح پر تذکیر بالقرآن کا اہتمام کیا جائے۔

۲۔ قرآن وسنت کے مطابق خدا کی شریعت اور ایمان و اخلاق کی تعلیم دی جائے۔

۳۔ دین کے صحیح الفکر علما اور محققین کو فیلو کی حیثیت سے ادارے کے ساتھ متعلق کیا جائے اور اُن کے علمی، تحقیقی اور دعوتی کاموں کے لیے اُنھیں ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں۔

۴۔ لوگوں کو آمادہ کیا جائے کہ جہاں جہاں ممکن ہے:

ا۔ اسلامی علوم کی ایسی درس گاہیں قائم کریں جن کا مقصد دین کے صحیح الفکر علما اور محققین تیار کرنا ہو۔

ب۔ ایف اے، ایف ایس سی اور اے لیول تک نہایت اعلیٰ معیار کے اسکول قائم کریں جن میں تعلیم و تعلم کے ساتھ طالب علموں کی تخلیقی صلاحیتوں کی نشوونما اور اُن کی دینی اور تہذیبی تربیت بھی پیش نظر ہو۔

ج۔ عام اسکولوں کے طلبہ کی دینی تعلیم کے لیے ایسے ہفتہ وار مدارس قائم کریں جن میں قرآن کی دعوت خود قرآن ہی کے ذریعے سے طالب علموں کے ذہن میں اِس طرح راسخ کر دی جائے کہ بعد کے زمانوں میں وہ پورے شرح صدر کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہ سکیں۔

د۔ ایسی خانقاہیں قائم کریں جہاں لوگ وقتاً فوقتاً اپنے دنیوی معمولات کو چھوڑ کر آئیں، علما و صالحین کی صحبت سے مستفید ہوں، اُن سے دین سیکھیں اور چند روز کے لیے یک سوئی کے ساتھ ذکر و عبادت میں مشغول رہ کر اپنے لیے پاکیزگی قلب و نظر کا اہتمام کریں۔

---

* شعبان ۱۴۰۳ھ بمطابق جون ۱۹۸۳ء۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ماہنامہ

اشراق

لاہور

جلد ۲۹ شمارہ ۱۲ دسمبر ۲۰۱۷ء ربیع الاول/ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

مدیر

سید منظور الحسن

فی شمارہ 30 روپے
سالانہ 300 روپے
رجسٹرڈ 700 روپے
(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر)

بیرون ملک

سالانہ 30 ڈالر

فہرست

شذرات

حدیث وسنت کی حجیت: جناب جاوید احمد غامدی کا موقف	سید منظور الحسن	۴
ماہنامہ ''اشراق''، ممبئی (انڈیا) کا آغاز	؍؍	۱۲
ماہنامہ ''اشراق''، ممبئی (انڈیا) کے ابتدائی شمارے کا اداریہ	محمد ذکوان ندوی	۱۲

قرآنیات

البیان: مریم ۱۹: ۱-۱۵ (۱)	جاوید احمد غامدی	۲۰

سیر و سوانح

حضرت عیاش بن ابوربیعہ رضی اللہ عنہ	محمد وسیم اختر مفتی	۲۷

مقالات

کلام کی ایک اہم خوبی: مقدرات	ساجد حمید	۳۳

نقطۂ نظر

جہاد اور روح جہاد کتاب وسنت کی روشنی میں	ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی	۴۱

اشاریہ

اشاریہ ماہنامہ ''اشراق'' ۲۰۱۷ء	نعیم احمد	۴۸

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

Post Box 5185, Lahore, Pakistan.
www.ghamidi.net, www.javedahmadghamidi.com
https://www.facebook.com/javedahmadghamidi
http://www.javedahmadghamidi.com/index.php/ishraq

حدیث وسنت کی حجیت: جناب جاوید احمد غامدی کا موقف

[یہ تحریر راقم کے ایم فل علوم اسلامیہ کے تحقیقی مقالے سے ماخوذ ہے۔ ''حدیث وسنت کی حجیت پر مکتب فراہی کے افکار کا تنقیدی جائزہ'' کے زیر عنوان یہ مقالہ جی سی یونیورسٹی لاہور کے شعبۂ عربی وعلوم اسلامیہ کے تحت ۲۰۱۲ء-۲۰۱۴ء کے تعلیمی سیشن میں مکمل ہوا۔]

www.javedahmadghamidi.org

جناب جاوید احمد غامدی رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومی اطاعت اور دین میں آپ کے مقام و مرتبے کے حوالے سے اُسی موقف پر قائم ہیں جس پر تمام علماے سلف کھڑے ہیں۔ چنانچہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کو کمال انسانیت کا مظہر اتم اور زمین پر خدا کی عدالت کہتے، آپ کی ہستی کو عقیدت اور اطاعت، دونوں کا مرکز مانتے اور آپ کے احکام کی بے چون وچرا تعمیل کو لازم قرار دیتے ہیں۔ وہ دین کو آپ کی ذات میں منحصر سمجھتے اور اِس بنا پر آپ کے قول وفعل اور تقریر وتصویب کو قیامت تک کے لیے حجت تسلیم کرتے ہیں۔ ماخذ دین کی بحث میں اُنھوں نے 'دین کا تنہا ماخذ' کی جو منفرد تعبیر اختیار کی ہے، اُس سے حصول دین کا سارا رخ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طرف منتقل ہو گیا ہے اور آپ کے وجود پر دین کا انحصار رائج تعبیرات کے مقابلے میں زیادہ نمایاں اور زیادہ مرتکز ہو کر سامنے آیا ہے[1]۔ دین اسلام پر اپنی کتاب ''میزان'' کا آغاز کرتے ہوئے اُنھوں نے لکھا ہے:

> ''دین اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے جو اُس نے پہلے انسان کی فطرت میں الہام فرمائی اور اِس کے بعد اُس کی تمام ضروری تفصیلات کے ساتھ اپنے پیغمبروں کی وساطت سے انسان کو دی ہے۔ اِس سلسلہ کے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ

۱؎ اصول اور احکام کی کتابوں میں دین وشریعت کے بالعموم چار ماخذ بیان کیے گئے ہیں: قرآن، سنت، اجماع اور قیاس۔

علیہ وسلم ہیں۔ چنانچہ دین کا تنہا ماخذ اِس زمین پر اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات والاصفات ہے۔[۲]''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو دین کا تنہا ماخذ تسلیم کرنے کے لازمی نتیجے کے طور پر وہ تمام تر دین کو آپ کے قول و فعل اور تقریر و تصویب پر مبنی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ درج بالا مقدمے کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''یہ صرف اُنھی (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہستی ہے کہ جس سے قیامت تک بنی آدم کو اُن کے پروردگار کی ہدایت میسر ہو سکتی اور یہ صرف اُنھی کا مقام ہے کہ اپنے قول و فعل اور تقریر و تصویب سے وہ جس چیز کو دین قرار دیں، وہی اب رہتی دنیا تک دین حق قرار پائے۔[۳]''

یہی وجہ ہے کہ اُن کے نزدیک اخذ دین کی ترتیب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مقدم اور قرآن و سنت کا موخر ہے اور آپ کی حیثیت ماخذ و مصدر کی اور قرآن و سنت کی نوعیت اس سے پھوٹنے والی دو الگ الگ صورتوں کی ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دین آپ کے صحابہ کے اجماع اور قولی و عملی تواتر سے منتقل ہوا اور دو صورتوں میں ہم تک پہنچا ہے: ۱۔ قرآن مجید ۲۔ سنت۔[۴]''

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

غامدی صاحب کے تمام تر دینی فکر کا مدار اسی اصولی مقدمے پر قائم ہے۔ حدیث و سنت کی حجیت کی بحث بھی اسی مرکزی نکتے کے گرد گھومتی ہے۔ اس بحث کے بنیادی نکات کو اگر ہم اُن کی تحریروں سے اخذ کرنا چاہیں تو وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ غامدی صاحب کے نزدیک ایمان بالرسالت کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں اللہ کے رسول کی مکمل اطاعت کی جائے، کیونکہ رسول صرف عقیدت کا مرکز نہیں، بلکہ اس کے ساتھ اطاعت کا مرکز بھی ہوتا ہے۔ اُس کے منصب کا تقاضا ہے کہ اُسے فقط منذر اور مذکر کے طور پر نہیں، بلکہ واجب الاطاعت ہادی کی حیثیت سے قبول کیا جائے اور زندگی کے ہر معاملے میں اُس کے حکم کی تعمیل کی جائے۔ لکھتے ہیں:

''...نبی صرف عقیدت ہی کا مرکز نہیں، بلکہ اطاعت کا مرکز بھی ہوتا ہے۔ وہ اِس لیے نہیں آتا کہ لوگ اُس کو نبی اور رسول مان کر فارغ ہو جائیں۔ اُس کی حیثیت صرف ایک واعظ و ناصح کی نہیں، بلکہ ایک واجب الاطاعت ہادی کی ہوتی ہے۔ اُس کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ زندگی کے تمام معاملات میں جو ہدایت وہ دے، اُس کی بے چون و چرا تعمیل کی جائے۔[۵]''

۲۔ غامدی، جاوید احمد، میزان، لاہور: المورد، ۲۰۱۵ء، ص ۱۳۔

۳۔ غامدی، جاوید احمد، میزان، لاہور: المورد، ۲۰۱۵ء، ص ۱۳۔

۴۔ ایضاً۔

۵۔ ایضاً، ص ۱۴۴۔

وہ اطاعت رسول کو محض رسمی اور قانونی ضرورت کے طور پر بیان نہیں کرتے، بلکہ خلوص و محبت اور عقیدت و احترام کے جذبات کو بھی اس کا لازمی حصہ قرار دیتے ہیں:

''...یہ اطاعت کوئی رسمی چیز نہیں ہے۔ قرآن کا مطالبہ ہے کہ یہ اتباع کے جذبے سے اور پورے اخلاص، پوری محبت اور انتہائی عقیدت و احترام سے ہونی چاہیے۔ انسان کو خدا کی محبت اِسی اطاعت اور اِسی اتباع سے حاصل ہوتی ہے۔... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حقیقت خود بھی مختلف طریقوں سے واضح فرمائی ہے۔ ایک روایت میں آپ کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ کسی شخص کا ایمان اُس وقت تک متحقق نہیں ہو سکتا، جب تک وہ مجھے اپنے باپ بیٹوں اور دوسرے تمام لوگوں سے عزیز تر نہ رکھے[6]۔''

وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اس بنا پر آپ کے قول و فعل کی حجیت کو آپ کے زمانے تک محدود نہیں سمجھتے، بلکہ اُسے ابدی مانتے ہیں اور اسے کسی کی رائے کے طور پر نہیں، بلکہ قرآن کے فیصلے کے طور پر قبول کرتے ہیں:

''...قرآن اِس معاملے میں بالکل واضح ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و ہدایات قیامت تک کے لیے اُسی طرح واجب الاطاعت ہیں، جس طرح خود قرآن واجب الاطاعت ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے محض نامہ بر نہیں تھے کہ اس کی کتاب پہنچا دینے کے بعد آپ کا کام ختم ہو گیا۔ رسول کی حیثیت سے آپ کا ہر قول و فعل بجائے خود قانونی سند و حجت کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کو یہ مرتبہ کسی امام و فقیہ نے نہیں دیا ہے، خود قرآن نے آپ کا یہی مقام بیان کیا ہے[7]۔''

آپ کے قول و فعل کی قانونی سند و حجت کی بنا پر وہ سمجھتے ہیں کہ اس دنیا میں شریعت دینے کا حق صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے اور آپ کی دی ہوئی شریعت میں کسی انسان کو، خواہ وہ ابوبکر و عمر جیسا بلند پایہ ہی کیوں نہ ہو، تغیر و تبدل کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ لکھتے ہیں:

''اِس زمین پر قیامت تک کے لیے یہ حق صرف محمد رسول اللہ کو حاصل ہے کہ وہ کسی چیز کو شریعت قرار دیں، اور جب اُن کی طرف سے کوئی چیز شریعت قرار پا جائے تو پھر صدیق و فاروق بھی اُس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتے[8]۔''

۲۔ غامدی صاحب کا موقف ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا وجوب قیامت تک کے لیے ہے۔ اپنی حیات مبارکہ میں آپ بنفس نفیس مرجع اطاعت تھے اور اب یہ مقام و مرتبہ قرآن و سنت کو حاصل ہے۔ حکومت و

۶۔ غامدی، جاوید احمد، میزان، لاہور: المورد، ۲۰۱۵ء، ص ۱۴۵۔

۷۔ غامدی، جاوید احمد، برہان، لاہور: المورد، ۲۰۰۸ء، ص ۱۳۸۔

۸۔ ایضاً۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ریاست کی اطاعت انھی کی اطاعت کے ماتحت ہے۔ لہٰذا حکمرانوں سے اختلاف تو ہوسکتا ہے، مگر قرآن وسنت سے اختلاف کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔ حکمرانوں سے اختلاف کی صورت میں بھی فیصلے کے لیے قرآن وسنت ہی کو حکم کی حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک مسلمان اپنی ریاست میں قرآن وسنت کے خلاف یا اِن کی رہنمائی کو نظرانداز کر کے کوئی قانون سازی نہیں کر سکتے[9]:

''...اللہ و رسول کی یہ حیثیت ابدی ہے، لہٰذا جن معاملات میں بھی کوئی حکم اُنھوں نے ہمیشہ کے لیے دے دیا ہے، اُن میں مسلمانوں کے اولی الامر کو، خواہ وہ ریاست کے سربراہ ہوں یا پارلیمان کے ارکان، اب قیامت تک اپنی طرف سے کوئی فیصلہ کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ اولی الامر کے احکام اِس اطاعت کے بعد اور اِس کے تحت ہی مانے جا سکتے ہیں۔ اِس اطاعت سے پہلے یا اِس سے آزاد ہو کر اُن کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ چنانچہ مسلمان اپنی ریاست میں کوئی ایسا قانون نہیں بنا سکتے جو اللہ و رسول کے احکام کے خلاف ہو یا جس میں اُن کی ہدایت کو نظرانداز کر دیا گیا ہو۔ اہل ایمان اپنے اولی الامر سے اختلاف کا حق بے شک، رکھتے ہیں، لیکن اللہ اور رسول سے کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا، بلکہ اِس طرح کا کوئی معاملہ اگر اولی الامر سے بھی پیش آ جائے اور اُس میں قرآن وسنت کی کوئی ہدایت موجود ہو تو اُس کا فیصلہ لازماً اُسی ہدایت کی روشنی ہی میں کیا جائے گا۔''[10]

۳۔ غامدی صاحب حدیث وسنت کے ایک حصے کو دین کے ایسے مستقل بالذات جز کے طور پر قبول کرتے ہیں جس کی ابتدا قرآن سے نہیں ہوئی[11] اور جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے اہتمام، پوری حفاظت اور پوری قطعیت

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

---

۹ ایضاً، ص ۱۴۸۔

۱۰ غامدی، جاوید احمد، میزان، لاہور: المورد، ۲۰۱۵ء، ص ۴۸۴۔

۱۱ یہاں یہ واضح رہے کہ غامدی صاحب قرآن مجید اور حدیث وسنت میں مذکور احکام کو اُن کی اصل اور شرح وفرع کے اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں: ایک حصہ اُن احکام پر مشتمل ہے جو اصلاً اور ابتداءً قرآن میں مذکور ہیں اور حدیث وسنت میں اُن کی شرح وفرع اور تاکید بیان ہوئی ہے۔ دوسرے حصے میں وہ احکام شامل ہیں جو اصلاً اور ابتداءً سنت میں بیان ہوئے ہیں اور قرآن میں اُن کا ذکر تاکیداً یا کسی اور ضرورت کے تحت آیا ہے۔ اس کی وضاحت اُنھوں نے ''میزان'' میں ''مبادی تدبر سنت'' کے زیرعنوان اِن الفاظ میں کی ہے:

''عملی نوعیت کی وہ چیزیں بھی سنت نہیں ہو سکتیں جن کی ابتدا پیغمبر کے بجائے قرآن سے ہوئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلوم ہے کہ آپ نے چوروں کے ہاتھ کاٹے ہیں، زانیوں کو کوڑے مارے ہیں، اوباشوں کو سنگسار کیا ہے، منکرین حق کے خلاف تلوار اٹھائی ہے، لیکن اِن میں سے کسی چیز کو بھی سنت نہیں کہا جاتا۔ یہ قرآن کے احکام ہیں جو ابتداءً اُسی میں وارد ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی تعمیل کی ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور قربانی کا حکم بھی اگرچہ

کے ساتھ امت کو منتقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

سنت کی حیثیت دین میں مستقل بالذات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِسے پورے اہتمام، پوری حفاظت اور پوری قطعیت کے ساتھ انسانوں تک پہنچانے کے مکلّف تھے۔[12]

چنانچہ اُنھوں نے اپنی کتاب میں اُن تمام اجزاے دین کی سنن ہی کی حیثیت سے فہرست بندی کی ہے جو امت کی علمی و عملی روایت میں عبادات، معاشرت، خورونوش اور رسوم و آداب کے دائرے میں مراسم دین کے طور پر مسلم رہے ہیں۔ یہ فہرست درج ذیل ہے:

''اِس (سنت کے) ذریعے سے جو دین ہمیں ملا ہے، وہ یہ ہے:[13]

عبادات

۱۔ نماز۔ ۲۔ زکوٰۃ اور صدقۂ فطر۔ ۳۔ روزہ و اعتکاف۔ ۴۔ حج و عمرہ۔ ۵۔ قربانی اور ایام تشریق کی تکبیریں۔

جگہ جگہ قرآن میں آیا ہے اور اُس نے اِن میں بعض اصلاحات بھی کی ہیں، لیکن یہ بات خود قرآن ہی سے واضح ہو جاتی ہے کہ اِن کی ابتدا پیغمبر کی طرف سے دین ابراہیمی کی تجدید کے بعد اُس کی تصویب سے ہوئی ہے۔ اِس لیے یہ لازماً سنن ہیں جنھیں قرآن نے موکد کر دیا ہے۔ کسی چیز کا حکم اگر اصلاً قرآن پر مبنی ہے اور پیغمبر نے اُس کی وضاحت فرمائی ہے یا اُس پر طابق النعل بالنعل عمل کیا ہے تو پیغمبر کے اِس قول و فعل کو ہم سنت نہیں، بلکہ قرآن کی تفہیم و تبیین اور اسوۂ حسنہ سے تعبیر کریں گے۔ سنت صرف اُنھی چیزوں کو کہا جائے گا جو اصلاً پیغمبر کے قول و فعل اور تقریر و تصویب پر مبنی ہیں اور اُنھیں قرآن کے کسی حکم پر عمل یا اُس کی تفہیم و تبیین قرار نہیں دیا جا سکتا۔'' (میزان، ص ۵۸)

۱۲؎ غامدی، جاوید احمد، مقامات، لاہور: المورد، ۲۰۱۴ء، ص ۱۶۳۔

۱۳؎ واضح رہے کہ ان میں سے بعض سنن، مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج و عمرہ وغیرہ کو بیش تر علماے امت آیات قرآنی کی تبیین پر محمول کرتے ہیں۔ یعنی یہ احکام اصلاً قرآن میں وارد ہوئے ہیں اور سنت نے ان کی تشریح و تفصیل کی ہے۔ غامدی صاحب کا موقف اس کے برعکس ہے۔ اُن کے نزدیک ان کی حیثیت مستقل بالذات سنن کی ہے جن کی ابتدا قرآن سے نہیں ہوئی۔ قرآن میں ان کا ذکر اصل حکم کے طور پر نہیں، بلکہ تاکید کے لیے یا کسی اور ضرورت کے تحت آیا ہے۔ بالبداہت واضح ہے کہ علما اور غامدی صاحب کے اس اختلاف کا تعلق بات کی پیشکش اور استدلال کی ترتیب سے ہے، نتیجے سے ہرگز نہیں ہے۔ چنانچہ غامدی صاحب انھیں دیگر علماے امت ہی کی طرح واجب العمل سنن کی حیثیت سے دین کا لازمی حصہ مانتے ہیں۔ اس ضمن میں اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ سنت کا مرتبہ اُن کے نزدیک اُس مرتبے سے بھی زیادہ ہے جو دیگر علماے امت اُسے دیتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ دیگر علماے امت مذکورہ سنن کو قرآن کے تابع اور اُس کی شرح و فرع کے مقام پر رکھتے ہیں، جب کہ غامدی صاحب انھیں اُس کے مساوی سمجھتے ہیں اور اُس سے منفرد حیثیت سے قبول کرتے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

معاشرت

۱۔نکاح وطلاق اور اُن کے متعلقات۔۲۔حیض ونفاس میں زن وشو کے تعلق سے اجتناب۔

خوردونوش

۱۔سؤر،خون،مرداراور خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیے گئے جانور کی حرمت۔۲۔اللہ کا نام لے کر جانوروں کا تذکیہ۔

رسوم وآداب

۱۔اللہ کا نام لے کراور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا۔۲۔ملاقات کے موقع پر السلام علیکم اور اُس کا جواب۔۳۔چھینک آنے پر الحمدللہ اور اُس کے جواب میں یرحمک اللہ۔۴۔مونچھیں پست رکھنا۔۵۔زیر ناف کے بال کاٹنا۔۶۔بغل کے بال صاف کرنا۔۷۔بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا۔۸۔لڑکوں کا ختنہ کرنا۔۹۔ناک، منہ اور دانتوں کی صفائی۔ ۱۰۔استنجا۔۱۱۔حیض ونفاس کے بعد غسل۔۱۲۔غسل جنابت۔۱۳۔میت کا غسل۔۱۴۔تجہیز وتکفین۔۱۵۔تدفین۔ ۱۶۔عیدالفطر۔۱۷۔عیدالاضحی۔[14]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۴۔غامدی صاحب قرآن مجید کی تبیین کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی منصبی ذمہ داری سمجھتے ہیں اور اس اعتبار سے آپ کے مقام کو مامور من اللہ مبین کتاب کی حیثیت سے قبول کرتے ہیں۔سورۂ نحل کی آیت تبیین کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”آیت کا مدعا یہ ہے کہ خالق کائنات نے اپنا یہ فرمان محض اِس لیے پیغمبر کی وساطت سے نازل کیا ہے کہ وہ لوگوں کے لیے اُس کی تبیین کرے۔گویا تبیین یا بیان پیغمبر کی منصبی ذمہ داری بھی ہے اور اُس کے لازمی نتیجے کے طور پر اُس کا حق بھی جو اُسے خود پروردگار عالم نے دیا ہے۔دوسرے لفظوں میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبر مامور من اللہ مبین کتاب ہے۔[15]“

اسی بنا پر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دین کے سب سے پہلے اور سب سے بڑے عالم تھے اور اس اعتبار سے آپ کو یہ امتیازی حیثیت حاصل تھی کہ وحی الٰہی کی تائید وتصویب کی بدولت آپ کا علم ہر خطا سے پاک تھا۔لکھتے ہیں:

”حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پیغمبر تھے، اِس لیے دین کے سب سے پہلے اور سب سے بڑے عالم، بلکہ سب عالموں کے امام بھی آپ ہی تھے۔دین کے دوسرے عالموں سے الگ آپ کے علم کی ایک خاص بات یہ تھی کہ آپ کا علم بے خطا تھا، اِس لیے کہ اُس کو وحی کی تائید وتصویب حاصل تھی۔[16]“

۱۴؎ غامدی، جاوید احمد، میزان، لاہور: المورد، ۲۰۱۵ء، ص۱۴۔

۱۵؎ غامدی، جاوید احمد، برہان، لاہور: المورد، ۲۰۰۸ء، ص۴۰۔

۵۔ غامدی صاحب کے نزدیک روایات میں منقول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ارشادات تفہیم وتبیین کی حیثیت رکھتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی نسبت کی تحقیق کے بعد ان کی پیروی ایمان کا لازمی تقاضا ہے اور اس سے معمولی اختلاف بھی ایمان کے منافی ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات بھی دین کی حیثیت سے روایتوں میں نقل ہوئے ہیں، اُن میں سے بعض کو میں نے تفہیم وتبیین اور بعض کو اسوۂ حسنہ کے ذیل میں رکھا ہے۔ یہی معاملہ عقائد کی تعبیر کا ہے۔ اِس سلسلہ کی جو چیزیں روایتوں میں آئی ہیں، وہ سب میری کتاب میزان کے باب ایمانیات میں دیکھ لی جاسکتی ہیں۔ یہ بھی تفہیم و تبیین ہے۔ علمی نوعیت کی جو چیزیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے نقل ہوئی ہیں، اُن کے لیے صحیح لفظ میرے نزدیک یہی ہے۔ آپ سے نسبت متحقق ہو تو اس نوعیت کے ہر حکم، ہر فیصلے اور ہر تعبیر کو میں حجت سمجھتا ہوں۔ اِس سے ادنیٰ اختلاف بھی میرے نزدیک ایمان کے منافی ہے۔''[۱۷]

یہاں یہ ملحوظ رہے کہ غامدی صاحب حدیث وسنت کی اصطلاحات میں واضح فرق کے قائل ہیں۔ حدیث کو تو وہ سابق علما کے موقف کے مطابق دین کی تفہیم وتبیین ہی قرار دیتے ہیں۔ تاہم، وہ اسے قرآن کی تفہیم وتبیین تک محدود نہیں کرتے، بلکہ سنت کو بھی اس میں شامل کرتے ہیں۔ سنت کو وہ قرآن ہی کی طرح دین کا مستقل بالذات ماخذ قرار دیتے ہیں۔ گویا اُن کے نزدیک قرآن اور سنت مستقل بالذات ماخذ دین ہیں اور حدیث اُن کی شرح وفرع اور تفہیم و تبیین ہے۔ اصطلاحات کے اس فرق کی نوعیت اور ضرورت کے حوالے سے اُنھوں نے بیان کیا ہے:

> ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو قرآن دیا ہے۔ اِس کے علاوہ جو چیزیں آپ نے دین کی حیثیت سے دنیا کو دی ہیں، وہ بنیادی طور پر تین ہی ہیں:
>
> ۱۔ مستقل بالذات احکام وہدایات جن کی ابتدا قرآن سے نہیں ہوئی۔
>
> ۲۔ مستقل بالذات احکام وہدایات کی شرح ووضاحت، خواہ وہ قرآن میں ہوں یا قرآن سے باہر۔
>
> ۳۔ اِن احکام وہدایات پر عمل کا نمونہ۔
>
> یہ تینوں چیزیں دین ہیں۔ دین کی حیثیت سے ہر مسلمان اِنھیں ماننے اور اِن پر عمل کرنے کا پابند ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اِن کی نسبت کے بارے میں مطمئن ہو جانے کے بعد کوئی صاحب ایمان اِن سے انحراف کی جسارت

۱۶؎ غامدی، جاوید احمد، مقامات، لاہور: المورد، ۲۰۱۴ء، ص ۱۶۳۔

۱۷؎ غامدی، جاوید احمد، مقامات، لاہور: المورد، ۲۰۱۴ء، ص ۱۵۱۔

نہیں کر سکتا۔ اُس کے لیے زیبا یہی ہے کہ وہ اگر مسلمان کی حیثیت سے جینا اور مرنا چاہتا ہے تو بغیر کسی تردد کے اِن کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔

ہمارے علما اِن تینوں کے لیے ایک ہی لفظ سنت استعمال کرتے ہیں۔ میں اِسے موزوں نہیں سمجھتا۔ میرے نزدیک پہلی چیز کے لیے سنت، دوسری کے لیے تفہیم و تبیین اور تیسری کے لیے اسوۂ حسنہ کی اصطلاح استعمال کرنی چاہیے۔ اِس سے مقصود یہ ہے کہ اصل اور فرع کو ایک ہی عنوان کے تحت اور ایک ہی درجے میں رکھ دینے سے جو خلط مبحث پیدا ہوتا ہے، اُسے دور کر دیا جائے۔[18]''

ان اقتباسات سے واضح ہے کہ جناب جاوید احمد غامدی حدیث و سنت کو من جملۂ دین قرار دیتے اور اِن کی حجیت کو پوری طرح تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دین میں مطاع کی حیثیت کو تسلیم کرنے اور اس بنا پر آپ کے قول و فعل اور تقریر و تصویب کو واجب الاطاعت ماننے، حدیث و سنت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام سمجھنے اور ان کی تشریعی اور تشریحی حیثیتوں کو تسلیم کرنے اور ان کے انکار کو دین و ایمان کے منافی تصور کرنے کے حوالے سے وہ اُسی موقف کے علم بردار ہیں جس پر امت گذشتہ چودہ سو سال سے کاربند ہے۔ ان کا علمی و فکری کام اِس موقف پر واقعاتی شہادت کی حیثیت رکھتا ہے جس کی تردید علم و استدلال کے دائرے میں ناممکن ہے۔ دین اسلام پر ان کی نمایندہ کتاب ''میزان'' اِس امر کا واضح ثبوت ہے جس میں نماز، زکوٰۃ، روزہ، اعتکاف، حج، عمرہ، عید، نکاح، طلاق، تذکیہ، غسل، تجہیز و تکفین اور اِس نوعیت کے دیگر مجمع علیہ مراسم دین کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جاری کردہ سنن ہی کے طور پر مشروع قرار دیا گیا ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ دین کی شرح و فرع کے ضمن میں کم و بیش بارہ سو احادیث سے استدلال کیا گیا ہے۔ تفسیر قرآن ''البیان'' کی تکمیل کے بعد اب ان کی تمام تر توجہات احادیث کی تحقیق اور شرح و وضاحت کے کام پر مرتکز ہیں۔

اِس تفصیل سے یہ بات پوری طرح متحقق ہو جاتی ہے کہ جناب جاوید احمد غامدی حدیث و سنت کے ایک مخلص خادم ہیں اور بعض لوگوں کی جانب سے ان پر حدیث و سنت کے انکار کا الزام محض ایک بہتان ہے جس کی علم و فکر اور دین و اخلاق میں کوئی گنجایش نہیں ہے۔

ـــــ سید منظور الحسن

۱۸؎ غامدی، جاوید احمد، مقامات، لاہور: المورد، ۲۰۱۴ء، ص ۱۵۰۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ماہنامہ ''اشراق''، ممبئ (انڈیا) کا آغاز

اللہ تعالیٰ کی توفیق اور خاص عنایت سے ماہنامہ ''اشراق''، ممبئ (انڈیا) کا آغاز ہو گیا ہے۔ اس کی اشاعت کا اہتمام ''المورد ہند'' نے کیا ہے۔ ادارت کی ذمہ داری معروف دینی اسکالر جناب محمد ذکوان ندوی صاحب نے سنبھالی ہے اور جناب اکبرالزماں، جناب شاداب ہاشمی، جناب محمد عظیم اصلاحی، جناب مشفق سلطان، جناب محمد اسجد اور جناب توفیق احمد خان نے انتظامی اور ادارتی معاونت کی خدمات پیش کی ہیں۔ یہ تمام احباب اس پرعزم کاوش پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔ ماہنامہ ''اشراق'' لاہور (پاکستان) کے تمام رفقا ان کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ ان کی کامیابی کے لیے دعا گو ہیں اور دعوت دین کی خدمت میں ان کے شانہ بہ شانہ کام کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہیں۔ المورد کی تحریک کو اگر اللہ کی مدد اور توفیق اسی طرح حاصل رہی تو ان شاء اللہ:

اس دور میں سرمایۂ اربابِ نظر بھی
اب ہو گا فراہی کا دبستاں، کوئی دن اور

قارئین کے تعارف کے لیے ماہنامہ ''اشراق''، ممبئ کے ابتدائی شمارے کا اداریہ ''المورد ہند'' کے شکریے کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔

—— سید منظور الحسن

ماہنامہ ''اشراق''، ممبئ (انڈیا) کے ابتدائی شمارے کا اداریہ

قارئین محترم!

الحمد للہ، المورد، ہند (ممبئ) کی جانب سے شائع ہونے والے ماہ نامہ ''اشراق'' کا پہلا شمارہ (نومبر ۲۰۱۷ء) شائع ہو چکا ہے۔ المورد ایک علمی، دعوتی اور تعلیمی ادارہ ہے۔ اِس کا مقصد اسلام میں ہرگز کسی نئے گروہ اور کسی نئے 'مذہبی تحزب' کا اضافہ کرنا نہیں۔ المورد کا اولین ہدف 'تفقه في الدين' کے عمل کو مطلوب نہج پر قائم کرنا ہے تا کہ امت کے درمیان

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

فرقہ دارانہ تعصّبات، گروہی عصبیت، متشددانہ سرگرمی اور سیاست کی حریفانہ کش مکش سے الگ رہ کر، خالص قرآن وسنت کی اساس پر دین حق کی دعوت کا فروغ اور اُس کا اِحیا ممکن ہو سکے۔ چنانچہ اِس ادارے کا بنیادی مقصد ہے —— تمام ممکن ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے اسلامی علوم سے متعلق علمی اور تحقیقی کام، پر امن انداز میں وسیع پیمانے پر اُس کی نشر واشاعت اور اُس کے مطابق، لوگوں کی تعلیم وتربیت کا اہتمام۔

ادارہ المورد کے سرپرست معروف اسلامی اسکالر استاذ جاوید احمد غامدی ہیں۔ راقم، استاذ کے تلامذہ ومستفیدین میں سے ہے۔ استاذِ محترم نے میری کسی طلب اور درخواست کے بغیر اپنی صواب دید سے بہ طورِ خود راقم کو ماہ نامہ اشراق، ہند کا مدیر مقرر کیا ہے۔ جولائی ۲۰۱۷ء میں، جب کہ میں دبئی میں تھا، المورد، ہند کی طرف سے ایک فون اور پھر ایک خط کے ذریعے سے مجھ کو اِس فیصلے کی اطلاع دی گئی۔

تاہم میں نے المورد کے ذمے داروں سے کہا کہ ابھی میں اِس سلسلے میں کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ استخارہ ومشورے کے بعد ہی شاید میں کوئی فیصلہ کر سکوں۔ اسی حال میں وقت گزرتا گیا۔ بالآخر، المورد، ہند کے ایک رفیق نے اِس سکوت کو توڑ کر مجھے اِس کے لیے رضامند ہونے پر مجبور کر دیا۔ انھوں نے کہا —— 'اشراق'، ہند کا پہلا شمارہ نومبر ۲۰۱۷ء میں شائع ہو گا۔ آپ کو تین دن کے اندر اُس کا اداریہ لکھ کر دینا ہے!

تاہم مجھ جیسے آدمی کے لیے یہ خبر ایک دھماکے سے کم نہ تھی۔ بالآخر میں نے کسی طرح اپنے آپ کو سنبھالا اور اپنی تمام تر نااہلی اور بے بضاعتی کے باوجود اللہ تعالیٰ کی رضا اور علمی ودعوتی ارتقا کے جذبے کے تحت اِس ذمے داری کو اٹھانے کے لیے تیار ہو گیا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا، حدیث کے الفاظ میں، یہ سب کچھ کسی 'اِشرافِ نفس' کے بغیر پیش آیا تھا، اِس لیے مجھے یہ خدا کی طرف سے ہونے والا ایک معاملہ نظر آیا؛ چنانچہ استخارہ ومشورہ اور غور وفکر کے بعد اِس پر انشراح ہو گیا۔ مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ یہ علمی اور دعوتی مصروفیت ہمارے لیے 'خیر کثیر' کا ذریعہ ثابت ہو گی۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ اِس کام کو قبول کرے، اِس میں برکت دے اور اِس کے لیے علم وعمل کی مطلوب صلاحیت سے بہرہ ور فرمائے۔ مجھے یقین ہے کہ جس طرح خدا نے ہمارے لیے اِس کام کا انتخاب فرمایا ہے، اُسی طرح اپنے فضل ورحمت سے وہ ضرور ہمارے عجز کی تلافی کا سامان پیدا کرے گا، اور مطلوب صلاحیت اور توفیق کے دروازے بھی وہ ہمارے لیے پوری طرح کھول

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

دے گا۔ خداوند ذوالجلال کی ذات سے یہی امید اور یقین اِس عاجز کا واحد سرمایہ ہے:

شاہاں چہ عجب، گر بنوازند گدا را

اپنے فکری اور دعوتی پس منظر کی بنا پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ المورد سے اپنے تعلق کا کچھ تذکرہ بھی یہاں شامل کر دیا جائے۔ یہ اگرچہ علمی اور فکری سفر کی ایک طویل داستان ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ اُس کے بیان کا محل نہیں۔ تاہم اِسے مختصراً ذکر کر دینے کا موقع شاید یہی ہے:

پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے، نہ رہے

میری پیدایش ۱۹۷۵ء میں مشرقی یوپی (ہند) کے ایک شہر بہرائچ میں ہوئی۔ میں نے عربی تعلیم محسنِ علمی دارالعلوم ندوۃ العلما، لکھنؤ میں حاصل کی۔ اِس تعلیمی پس منظر کے بغیر شاید دین کا طالب علم بننا میرے لیے کسی بھی طرح ممکن نہ تھا۔ خدا کا فضل ہے کہ تعلیم کے دوران مسلسل طور پر مجھ کو جن حضرات کی سرپرستی اور رہنمائی حاصل رہی، اُن میں مولانا ابوالحسن علی ندوی (وفات: ۱۹۹۹ء)، ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی (وفات: ۲۰۰۶ء)، مولانا محمد رابع حسنی، مولانا واضح رشید ندوی اور ڈاکٹر سعید الرحمان الاعظمی نمایاں طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اِس موقع پر میرا دل اپنے تمام اساتذہ و محسنین کے لیے شکر و امتنان اور دعا و اعتراف کے جذبات سے لبریز ہے۔

اپنے طالب علمانہ ذوق کی بنا پر ابتدا ہی سے میں ایک متلاشی (seeker) انسان رہا ہوں۔ 'تراشیدم، پرستیدم، شکستم' کے مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد خالص ایک علمی اسکول کے طور پر فراہی اسکول سے میرا تعارف ہوا۔ فراہی اسکول امت کی علمی تاریخ میں اِس اصول پر کھڑا ہے کہ ـــــ لفظ سے معنی پر صحیح استدلال کیا جائے، یعنی ''تدبر قرآن'' کے باب میں، دوسرے معاون علوم کے علاوہ، بنیادی طور پر اولین حیثیت قرآن کے متن کو دی جائے اور اِس کے لیے قرآن مجید کی زبان و بیان اور اُس کے اسلوب پر اِس طرح عبور حاصل کیا جائے کہ قرآن کے اصل مدعا تک پہنچنے میں، کم از کم اُس کی زبان آدمی کی راہ میں حائل نہ ہو سکے۔

مطالعے کے بعد معلوم ہوا کہ اِس وقت جاوید احمد غامدی (مقیم ملائشیا) فراہی اسکول کے ایک ممتاز عالم ہیں۔ چنانچہ میں نے اُن کی تقریر و تحریر سے استفادہ شروع کر دیا۔ یہ سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر ۲۰۱۴ء میں بذریعہ فون میری اُن سے براہِ راست گفتگو ہوئی۔ گفتگو کے دوران میں نے کہا کہ فہمِ قرآن کے باب میں، میں آپ سے استفادہ کرنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے انتہائی خندہ پیشانی کے ساتھ نہ صرف اِس کی اجازت دی، بلکہ فرمایا کہ: آپ کے لیے وقت

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کی کوئی قید نہیں ہے۔ آپ جس وقت چاہیں، میں اِس خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ اب تک کے اپنے مطالعے کے مطابق، قرآنیات کے باب میں، میں آپ کو فراہی اسکول کا سب سے بڑا عالم سمجھتا ہوں۔ میری بات سن کر استاذ نے کہا ــــــ اگر آپ پہلے ہی دن سے مجھ کو اِس مقام پر فائز کر دیں گے تو آپ کا علمی ارتقا رک جائے گا۔ بہتر ہوگا کہ آپ یہ طے کریں کہ ہم اور آپ، دونوں طالب علم ہیں۔ کچھ ہم آپ سے سیکھیں گے اور کچھ آپ مجھ سے۔ انھوں نے مزید کہا کہ علم ایک لامحدود چیز ہے۔ اِس میں کبھی کسی شخص کو 'عقلِ کُل' کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ علم ایک لامتناہی سفر ہے۔ موت تک حصولِ علم کا یہ سفر مسلسل طور پر جاری رہتا ہے۔

استاذ جاوید احمد غامدی کے اِس علمی اپروچ نے مجھ کو گہرے طور پر متاثر کیا۔ تاہم، برسبیلِ تذکرہ، یہاں میں یہ عرض کروں گا کہ، اپنے مزاج کے مطابق، اُن کے علم سے زیادہ جس چیز نے مجھے متاثر کیا، وہ اُن کا حسنِ طبیعت اور اُن کا حسنِ اخلاق ہے۔ یہ بات میں اپنے براہِ راست ذاتی تجربات (جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں) کی بنا پر کہہ رہا ہوں: ولا أزكّي على الله أحدا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

استاذ جاوید احمد غامدی قرآن مجید کی زبان و بیان کے ایک جید عالم ہیں۔ اِس کے علاوہ، دیگر متعلق علوم (تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ دین وغیرہ) کے اصل مصادر پر اُن کی عالمانہ اور ناقدانہ نظر ہے۔ امت کی علمی تاریخ میں وسیع المطالعہ افراد کی کمی نہیں رہی ہے۔ تاہم خالص قرآن وسنت کی روشنی میں اصولِ دین پر عالمانہ تبحر بہت کم لوگوں کے حصے میں آیا ہے۔ میرے علم کے مطابق، غالباً یہی وہ چیز ہے جس میں دین کا ایک سچا طالب علم اُن سے بہت کچھ استفادہ کر سکتا ہے۔ علمی ذوق رکھنے والا ایک شخص استاذ جاوید احمد غامدی کی تفسیر ''البیان'' (۵ مجلدات) اور اُن کی کتاب ''میزان'' کے تقابلی مطالعے کے ذریعے، نیز ''میزان'' کے تدریسی خطبات (lectures) کو سن کر واضح طور پر مذکورہ حقیقت کو دریافت کر سکتا ہے۔

میرے علم کے مطابق، جاوید احمد غامدی غالباً وہ پہلے قابل ذکر عالم ہیں جنھوں نے صدیوں سے جاری اُس فرسودہ بحث کا علمی طور پر خاتمہ کر دیا ہے جس میں یہ سوال کیا جاتا تھا کہ ــــــ دین کا ماخذ قرآن ہے یا حدیث؟ اِس کے بجائے دین کے اصول ومبادی کی وضاحت کرتے ہوئے انھوں نے لکھا کہ:

''دین کا تنہا ماخذ اِس زمین پر اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذاتِ والا صفات ہے۔ یہ صرف اُنھی کی ہستی ہے جس سے قیامت تک بنی آدم کو اُن کے پروردگار کی ہدایت میسر آسکتی ہے، اور یہ صرف اُنھی کا مقام ہے کہ اپنے قول و فعل اور تقریر وتصویب سے وہ جس چیز کو 'دین' قرار دیں، وہی اب رہتی دنیا تک دین حق قرار پائے۔'' (میزان ۱۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین حق کا 'تنہا ماخذ' قرار دے دینا، اپنے آپ میں اِس غیر علمی سوال کو ختم کر دیتا ہے کہ دین کا ماخذ قرآن ہے یا حدیث؟ حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں اِس قسم کی تفریقی ڈائکاٹمی کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ دین کا ماخذ بلاشبہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ آپ ہی سے ہم کو قرآن ملا اور آپ ہی کے ارشادات کا ذخیرہ ہے، جس کو بعد کے زمانے میں 'حدیث' کا نام دیا گیا۔

اِس ذخیرۂ حدیث کے متعلق اصولی بحث کرتے ہوئے استاذ لکھتے ہیں کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل اور تقریر و تصویب کے اخبارِ آحاد جنھیں بالعموم ''حدیث'' کہا جاتا ہے، اِن کے بارے میں ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ... دین سے متعلق جو چیزیں اِن (احادیث) میں آئی ہیں، وہ درحقیقت 'قرآن و سنت' میں محصور اِسی (اصل) دین کی تفہیم و تبیین اور اِس پر عمل کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا بیان ہیں۔ حدیث کا دائرہ یہی ہے۔'' (میزان ۱۵)

اِن سطروں کے بعد حدیث کی اصولی اہمیت پر اِن الفاظ میں روشنی ڈالی گئی ہے:

''البتہ اِس کی حجت ہر اُس شخص پر قائم ہو جاتی ہے جو اِس کی صحت پر مطمئن ہو جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل یا تقریر و تصویب کی حیثیت سے اِسے قبول کر لیتا ہے۔ اِس سے انحراف پھر اُس شخص کے لیے جائز نہیں رہتا، بلکہ ضروری ہو جاتا ہے کہ آپ کا کوئی حکم یا فیصلہ اگر اِس میں بیان کیا گیا ہے تو اُس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے۔'' (۱۵)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

استاذ جاوید احمد غامدی کی ایک قابلِ ذکر خصوصیت اُن کا اعتدال اور عالی ظرفی ہے۔ اپنے طلبا کو نقد و آزادی کا جس طرح کھلا موقع وہ فراہم کرتے ہیں، المورد کا ہر طالب علم اُس کا گواہ ہے۔ یہ ظاہرہ بلاشبہ ہماری 'مذہبی' تاریخ کا ایک انتہائی قابلِ قدر باب ہے۔ المورد گلوبل کی طرف سے تحریری طور پر نقد کی اِسی آزادی کے ساتھ مجھ کو ''اشراق'' ہند کی ادارات کی ذمہ داری تفویض کی گئی ہے۔ استاذِ محترم خود ہمیشہ اپنے آپ کو محض ایک طالب علم کہتے ہیں اور اپنے طلبا و متعلقین کو بھی بار بار اِسی بات کی تاکید و تلقین فرماتے ہیں۔

یہاں میں عرض کروں گا کہ جاوید احمد غامدی بلاشبہ معاصر دنیا میں اسلام کے ایک جید عالم ہیں اور اِسی کے ساتھ ایک انسان بھی، جس سے بہ ہر حال خطا و صواب، دونوں کا نہ صرف احتمال پایا جاتا ہے، بلکہ واقعات بتاتے ہیں کہ علمی میدان میں بارہا اِس کا صدور بھی ہوا ہے۔ میرے علم کے مطابق، اُن کا مشن علم و عقل کی روشنی میں 'بتانِ جاہلیت' کو ڈھانا ہے، نہ کہ نئے عنوانات پر دوسرے کچھ 'بت' تراش لینا۔ اِسی بنا پر میں اپنے آپ کو استاذِ محترم کا صرف ایک

تلمیذ سمجھتا ہوں، نہ کہ پُراسرار معنوں میں اُن کا کوئی 'مرید'۔ میرے تجربے کے مطابق، اِس قسم کی 'اِرادت' کے لیے اُن کے یہاں کوئی جگہ نہیں۔ وہ صرف علم دین کے ایک معلم ہیں، نہ کہ کوئی پُراسرار 'مرشد'۔

ایک طالب علم کے لیے بلاشبہ ایک معلم اور رہنما کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ کوئی 'اعتقادی' چیز نہیں، بلکہ وہ ایک فطری ضرورت ہے۔ تاہم، جب اِسے اِس حد تک 'غیر مشروط اِسترشاد' کا درجہ دے دیا جائے کہ 'مرشد' سے جزوی علمی اختلاف بھی ایک غیر مطلوب چیز قرار پائے، تو بلاشبہ یہ معاملہ فطری ضرورت سے گزر کر ایک قسم کی سنگین برائی کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اِس کے بعد یہ ہوتا ہے کہ 'ذہنی تعذیب' کے اِس ماحول میں نہ صرف آدمی کا علمی ارتقا رک جاتا ہے، بلکہ عملاً وہی صورتِ حال پیدا ہو جاتی ہے جس کو 'کہنوت' یا 'گروڈم' کہا جاتا ہے، اور بلاشبہ اسلام میں اِس قسم کے 'گروڈم' کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ منصبِ رسالت پر فائز ہونے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی نسبت سے، 'غیر مشروط مرشد' جیسے الفاظ استعمال کرنے کے بجائے، اپنے آپ کو صرف ایک 'معلم' (بُعِثتُ مُعلّماً*) قرار دیا، یعنی عملاً وہی چیز جس کو مربی یا استاذ کہا جاتا ہے۔ مذکورہ حدیث سے 'عبارۃ النص' کے درجے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ 'استاذ' یا 'معلم' کا لفظ ایک پیغمبرانہ لفظ ہے۔ اِس کے برعکس، 'گرو' اور 'غیر مشروط مرشد' جیسے الفاظ اِس معاملے میں ایک مبتدعانہ تعبیر کی حیثیت رکھتے ہیں، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اِس قسم کے مبتدعانہ تصورات کے ذریعے سے کبھی وہ مطلوب چیز پیدا نہیں کی جا سکتی جس کو 'اصلاح' یا تزکیۂ نفس کہا جاتا ہے۔

یہاں یہ واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فکر فراہی، خدانخواستہ، کوئی الگ 'مذہب' یا 'فرقہ' نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ فراہی مکتب فکر ایک علمی اسکول کا نام ہے۔ یہ اسلاف کی اُس قدیم روایت کا تسلسل ہے جس میں دین کے ماخذ پر براہِ راست نظر اور دین پر زندہ غور و فکر کے بغیر کسی شخص کو 'عالم' کا مقام حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ علمی روایت 'اختلافِ رائے کے باوجود احترام' پر مبنی ہے۔ علمی روایت کے مطابق، فراہی اسکول امت کے دوسرے گروہوں کے ساتھ تعاون اور اعتراف پر مبنی ہے۔

فراہی اسکول اور اُس سے وابستہ اہلِ علم نے حدیث پر بھی کام کیا ہے اور فہم سنت کے اصول و مبادی بھی متعین کیے ہیں۔ تاہم اُن کا اصل امتیازی کام وہ ہے جو قرآن مجید کی نسبت سے انجام دیا گیا ہے۔ بنیادی طور پر اِس کام کے دو پہلو ہیں: ایک کا تعلق قرآن کے علمی پہلو سے ہے اور دوسرے کا تعلق قرآن کے فکری پہلو سے۔

---

* سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني: ۳۵۹۳۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

علمی پہلو سے مراد قرآن کی تاریخ، اُس کی زبان و بیان اور اُس کی شرح و تفسیر ہے۔ یہ کام حمید الدین فراہی (وفات: ۱۹۳۰ء) کی ''مفردات القرآن''، ''اسالیب القرآن''، ''جمہرۃ البلاغہ''، ''مجموعہ تفاسیر'' اور امین احسن اصلاحی (وفات: ۱۹۹۷ء) کی تفسیر ''تدبر قرآن'' (۹ مجلدات) اور جاوید احمد غامدی (پیدایش: ۱۹۵۱ء) کی تفسیر ''البیان'' (۵ مجلدات) کی صورت میں چھپ کر سامنے آچکا ہے۔ واضح رہے کہ استاذ جاوید احمد غامدی کی تفسیر ''البیان'' دوسرے ائمۂ علم کے علاوہ، حمید الدین فراہی اور اپنے استاذ امین احسن اصلاحی کے 'رشحاتِ فکر' سے اخذ و استفادہ بھی ہے اور اُس پر علمی نقد و اضافہ بھی۔

فکری پہلو سے مراد اصلاً یہاں قرآن مجید کو 'میزان اور فرقان' کی حیثیت سے پیش کرنا ہے، یعنی ایک ایسی کتاب جو حق و باطل میں امتیاز کے لیے میزانِ عدل اور قاطع برہان ہے۔ چنانچہ اب حق و باطل کے درمیان فرق معلوم کرنے کے لیے قرآن ہی کو کسوٹی اور معیار کا درجہ حاصل ہے۔ جو بات اِس معیار پر کھری ثابت ہوگی، وہ کھری ہے اور جو بات اِس معیار پر کھری ثابت نہ ہو سکے، وہ یقیناً کھوٹی ہے، وہ اِس قابل ہے کہ اُس کو رد کر دیا جائے۔ اِس معاملے کی وضاحت کرتے ہوئے استاذ جاوید احمد غامدی نے بجا طور پر لکھا ہے کہ:

> ''دین میں ہر چیز کے رد و قبول کا فیصلہ اِس (قرآن) کی آیاتِ بینات ہی کی روشنی میں ہوگا۔ ایمان و عقیدہ کی ہر بحث اِس سے شروع ہوگی اور اِسی پر ختم کر دی جائے گی۔ ہر وحی، ہر الہام، ہر القا، ہر تحقیق اور ہر رائے کو اِس کے تابع قرار دیا جائے گا اور اِس کے بارے میں یہ حقیقت تسلیم کی جائے گی کہ بو حنیفہ و شافعی، بخاری و مسلم، اشعری و ماتریدی اور جنید و شبلی، سب پر اِس کی حکومت قائم ہے اور اِس کے خلاف اِن میں سے کسی کی کوئی چیز بھی قبول نہیں کی جا سکتی۔'' (میزان ۲۵)

اِس موضوع کی مزید تفصیل، خاص طور پر، امین احسن اصلاحی کی کتاب ''مبادی تدبر قرآن'' (صفحہ ۲۲۴، مطبوعہ البلاغ پبلی کیشنز، نئی دہلی) اور جاوید احمد غامدی کی کتاب ''اصول و مبادی'' (صفحہ ۶۵، مطبوعہ 'المورد'، لاہور) میں دیکھی جا سکتی ہے۔

آخر میں، میں اپنے قارئین محترم سے عرض کروں گا کہ آپ روایتی معنوں میں صرف ہمارے ایک قاری (reader) نہیں، بلکہ عملاً آپ حضرات ہمارے لیے انتہائی قابلِ قدر علمی اور دعوتی رفقا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ میں نہ صرف امید، بلکہ یقین رکھتا ہوں کہ اِحیاے علم و دعوت کے اِس مطلوب عمل میں آپ ہر طرح ہمارا تعاون فرمائیں

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

گے۔تاہم میرے نزدیک، آپ کا سب سے بڑا تعاون مادی تعاون (material support) نہیں، بلکہ علمی اور دعوتی تعاون ہے، یعنی قرآن وسنت کا سچا طالب علم بن کر اُس کے علمی اور عملی تقاضوں کو پورا کرنا، اُس کے احیا اور اس کے فروغ کے لیے ہر ممکن کوشش کرنا۔ ہمارا اصل تعاون یہ نہیں ہے کہ آپ ہمارے مادی معاون بن جائیں، ہمارا اصل تعاون یہ ہے کہ آپ خود اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ اور اُس کے رسول کے حوالے کر دیں۔ یہی وقت کا سب سے بڑا تقاضا، یہی ہمارا مشن اور یہی قرآن کی دعوت ہے: 'یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ' (البقرہ ۲: ۲۰۸)۔

۲۵/ اکتوبر ۲۰۱۷ء

ـــــ محمد ذکوان ندوی

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ مریم

(۱)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کٓہٰیٰعٓصٓ ﴿۱﴾ ذِکۡرُ رَحۡمَتِ رَبِّکَ عَبۡدَہٗ زَکَرِیَّا ﴿۲﴾ اِذۡ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً

۲

اللہ کے نام سے جو سراسر رحمت ہے، جس کی شفقت ابدی ہے۔

یہ سورہ 'کٓہٰیٰعٓصٓ'[111] ہے۔ یہ تیرے پروردگار کے (فضل و) رحمت کا ذکر[112] ہے جو اُس نے اپنے بندے[113]

---

[111] یہ سورہ کا نام ہے۔ اِس طرح کے جو نام قرآن میں آئے ہیں، اُن کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر ہم سورۂ بقرہ (۲) کی آیت ۱ کے تحت بیان کر چکے ہیں۔

[112] لفظ 'ذِکۡر' یہاں اُسی مفہوم میں ہے جس میں آگے 'اُذۡکُرۡ' کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔

[113] آیت میں لفظ 'عَبۡد' استعمال ہوا ہے۔ یہ حضرت زکریا کے اختصاص کو بیان کرتا ہے۔ استاذ امام کے الفاظ میں، جس کو اللہ تعالیٰ خود اپنا بندہ کہہ کر یاد فرمائے، اُس کے لیے اِس سے بڑا اعزاز کیا ہو سکتا ہے۔ یہ زکریا کون تھے؟ ہم سورۂ آل عمران (۳) کی آیت ۳۷ کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں کہ یہ سیدنا ہارون علیہ السلام کے خاندان سے اور سیدہ مریم کے خالو تھے۔ بنی اسرائیل میں کہانت کا جو نظام قائم کیا گیا تھا، اُس کی رو سے لاوی بن یعقوب کا گھرانا مذہبی خدمات کے لیے خاص تھا۔ پھر بنی لاوی میں سے بھی مقدس میں خداوند کے آگے بخور جلانے اور

خَفِيًّا ﴿٣﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ
بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿٤﴾ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا

زکریا پر کیا تھا، جب اُس نے اپنے پروردگار کو چپکے چپکے پکارا[114]۔ اُس نے عرض کیا[115]: میرے پروردگار، میری ہڈیاں بوڑھی ہوگئی ہیں اور سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا ہے اور اے پروردگار، تجھ سے مانگ کر میں کبھی محروم نہیں رہا۔ مجھے اپنے پیچھے اپنے بھائی بندوں سے اندیشہ ہے[116] اور میری بیوی بانجھ ہے[117]۔

پاک ترین چیزوں کی تقدیس کی خدمت سیدنا ہارون کے خاندان کے سپرد تھی۔ دوسرے بنی لاوی مقدس کے اندر نہیں جا سکتے تھے، بلکہ صحنوں اور کوٹھڑیوں میں کام کرتے تھے۔ سبت کے دن اور عیدوں کے موقع پر سوختنی قربانیاں چڑھاتے تھے اور مقدس کی نگرانی میں بنی ہارون کی مدد کرتے تھے۔ زکریا بنی ہارون کے خاندان میں سے ابیاہ کے سربراہ تھے۔ چنانچہ اپنے خاندان کی طرف سے یہی معبد کی خدمت انجام دیتے تھے۔

۱۱۴؎ یعنی راز و نیاز کے انداز میں۔ یہ دعا کے آداب میں سے ہے، اِس لیے کہ اِسی میں بندہ اپنے پروردگار کے لیے خاص ہو کر اپنی درخواست اُس کے حضور پیش کرتا ہے۔

۱۱۵؎ آگے کی آیتوں میں اشارہ ہے کہ اُنھوں نے یہ درخواست ہیکل میں غالباً اعتکاف کی حالت میں پیش کی ہے۔

۱۱۶؎ یعنی وہ دینی اور اخلاقی لحاظ سے اچھے لوگ نہیں ہیں۔ چنانچہ اندیشہ ہے کہ میرے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد میری اور میرے خاندان کی اُن روایات کو قائم نہ رکھ سکیں گے جو ہمارا اصل سرمایۂ امتیاز ہیں۔

۱۱۷؎ یہاں تک اُس درخواست کی تمہید ہے جو اُنھوں نے آگے پیش فرمائی ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”...حضرت زکریا نے عرض مدعا سے پہلے اُس کے لیے تمہید استوار کی ہے اور اِس میں شبہ نہیں کہ ایسی مؤثر تمہید استوار کی ہے کہ اگر سوء ادب پر محمول نہ کیجیے تو عرض کروں کہ یہ خدا کی رحمت پر کمند ڈال دینے والی تمہید ہے۔ حضرت زکریا نے ایک تو اپنے ضعف و ناتوانی کو سفارش میں پیش کیا، دوسرے اپنے ساتھ زندگی بھر اپنے رب کے معاملے کو۔ فرماتے ہیں کہ اے رب، میں کبھی تجھے پکار کے محروم نہیں رہا۔ غور کیجیے کہ جو سائل جس در سے کبھی محروم نہیں لوٹا ہے، وہ اِس پیری و ناتوانی میں، جب کہ اُس کی ہڈیوں تک کی گود خشک ہو چکی ہے، اُس دروازے سے کس طرح محروم لوٹایا جائے گا۔“ (تدبر قرآن ۴/ ۶۳۵)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ﴿۵﴾ یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ﴿۶﴾

یٰزَكَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۣ اسْمُهٗ یَحْیٰی لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا ﴿۷﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِیًّا ﴿۸﴾ قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ

سو اپنے پاس سے تو مجھے ایک وارث عطا فرما دے جو میرا بھی وارث ہو اور یعقوب کے خاندان کا بھی۔ اور میرے پروردگار، تو اُس کو ایک پسندیدہ انسان بنا[۱۱۸]۔ ۱-۶

(فرمایا): اے زکریا، ہم تمھیں ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا[۱۱۹]۔ ہم نے اِس سے پہلے اُس کا کوئی نظیر نہیں بنایا ہے[۱۲۰]۔ اُس نے عرض کیا: پروردگار، میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا، جب کہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں خود بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں۔ فرمایا: ایسا ہی ہوگا[۱۲۱]۔ تیرے پروردگار کا ارشاد ہے کہ یہ میرے لیے بہت آسان ہے۔ میں اِس سے پہلے تجھے پیدا کر چکا ہوں،

---

۱۱۸ یعنی پسندیدہ اخلاق کا حامل اور اُن کمزوریوں سے پاک جو اِس وقت خاندان میں در آئی ہیں۔

۱۱۹ حضرت زکریا نے بالکل صحیح وقت پر، صحیح مقصد کے لیے اور نہایت سچے جذبے کے ساتھ دعا کی تھی۔ چنانچہ زبان سے نکلی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے قبول فرما لیا۔ بندے کی دعا اگر اِس یقین کا بے تابانہ اظہار ہو کہ میرے لیے ایک ہی دروازہ ہے، اِس سے پہلے بھی یہیں سے پایا ہے اور اب بھی یہیں سے پاؤں گا تو اُس کے لیے خدا کی رحمت اُن گوشوں سے نمودار ہو جاتی ہے، جہاں سے اُس کو وہم و گمان بھی نہ ہو۔

۱۲۰ یعنی اِس سے پہلے کوئی بچہ اِس طرح کے بوڑھے باپ اور بانجھ ماں کو نہیں دیا ہے، اِس لیے عام قانون سے ہٹ کر یہ ہر لحاظ سے بے نظیر فرزند ہے۔

۱۲۱ قرینہ دلیل ہے کہ یہ جواب ہاتف غیب کی زبان سے ہے۔ آیت میں 'كَذٰلِكَ' کی خبر محذوف ہے۔ یہ زور اور تاکید کے لیے حذف کر دی گئی ہے۔

وَلَمۡ تَكُ شَيۡـًٔا ﴿٩﴾ قَالَ رَبِّ اجۡعَلۡ لِّيۡۤ اٰيَةً قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ
لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿١٠﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوۡمِهٖ مِنَ الۡمِحۡرَابِ فَاَوۡحٰۤى اِلَيۡهِمۡ اَنۡ سَبِّحُوۡهُ
بُكۡرَةً وَّعَشِيًّا ﴿١١﴾

جب کہ تم کچھ بھی نہیں تھے۔ زکریا نے کہا: میرے پروردگار، میرے لیے کوئی نشانی ٹھیرا دیجیے[122]۔ فرمایا: تمھارے لیے نشانی یہ ہے کہ تم تین شب و روز لوگوں سے بات نہیں کر سکو گے، جب کہ تم بالکل تندرست ہو گے[123]۔ چنانچہ محراب عبادت سے نکل کر وہ اپنے لوگوں کے پاس آیا، پھر اشارے سے اُن کو ہدایت کی کہ صبح و شام خدا کی تسبیح کرتے رہو[124]۔ ۷-۱۱

۱۲۲؎ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ زکریا کا گمان تو اگرچہ یہی تھا کہ یہ بشارت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، لیکن دل کے کسی گوشے میں یہ کھٹک ضرور تھی کہ ممکن ہے کہ یہ اپنے ہی گنبد دل کی صدا اور اپنی ہی آرزوؤں کے ہجوم میں شیطان کا کوئی القا ہو جسے وہ فرشتوں کا الہام سمجھ بیٹھے ہیں۔ چنانچہ یہ درخواست اُنھوں نے اپنے اطمینان کے لیے کی۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۱۲۳؎ یعنی یہ حالت کسی مرض یا خرابی کی وجہ سے نہیں ہو گی، بلکہ خدا کی ایک نشانی ہو گی کہ تم خدا کی تسبیح و تہلیل تو کرو گے، لیکن لوگوں سے کوئی بات نہیں کر سکو گے۔ سورۂ آل عمران (۳) کی آیت ۴۱ میں اِس کی تصریح ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ”...ظاہر ہے کہ ایک آدمی پر ایسی حالت کا طاری ہو جانا کہ وہ ذکر الٰہی تو کر سکے، لیکن کوئی اور کلمہ زبان سے نہ نکال سکے، کوئی شیطانی حالت نہیں ہو سکتی۔ یہ ہو سکتی ہے تو رحمانی حالت ہی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ یہ حالت حضرت زکریا پر طاری ہو گئی۔ وہ محراب عبادت سے نکل کر لوگوں میں آئے تو وہ کچھ بول نہیں سکتے تھے۔ صرف اشارے سے اُنھوں نے لوگوں کو تسبیح و تہلیل میں مشغول رہنے کی ہدایت کی۔“ (تدبر قرآن ۴/ ۶۳۸)

۱۲۴؎ لفظ ’مِحۡرَاب‘ یہاں معبد کے اُن حجروں کے لیے آیا ہے جن میں بیٹھ کر لوگ عبادت کرتے تھے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ دعا اور بشارت کے وقت حضرت زکریا ہیکل ہی کے کسی گوشے میں مصروف عبادت تھے۔ سورۂ آل عمران (۳) کی آیت ۳۹ میں وضاحت ہے کہ جب یہ بشارت نازل ہوئی تو وہ نماز میں کھڑے تھے۔ اِسی طرح یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ باہر لوگ کسی وجہ سے اُن کا انتظار کر رہے تھے۔ انجیل میں ہے کہ لوگوں کا خیال تھا کہ اُنھوں نے مقدس میں کوئی رؤیا دیکھا ہے*۔ چنانچہ وہ باہر آئے تو اُنھوں نے اشارہ کیا کہ تسبیح و تہلیل کرو۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

* لوقا ۱: ۲۲۔

یٰیَحۡیٰی خُذِ الۡکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ وَ اٰتَیۡنٰہُ الۡحُکۡمَ صَبِیًّا ﴿۱۲﴾ وَّ حَنَانًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَ زَکٰوۃً
وَ کَانَ تَقِیًّا ﴿۱۳﴾ وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَیۡہِ وَ لَمۡ یَکُنۡ جَبَّارًا عَصِیًّا ﴿۱۴﴾ وَ سَلٰمٌ عَلَیۡہِ یَوۡمَ وُلِدَ

(یہ بشارت پوری ہوئی۔ چنانچہ وہ بچہ سن رشد کو پہنچا تو فرمایا): اے یحییٰ، ہماری کتاب[125] کو مضبوط تھام لو۔ ہم نے اُس کو بچپن ہی میں (حق و باطل کے درمیان) فیصلہ کر لینے کی صلاحیت سے نوازا اور خاص اپنی طرف سے سوز و گداز[126] اور (ظاہر و باطن کی) پاکیزگی عطا فرمائی اور وہ نہایت پرہیزگار[127] اور اپنے والدین کا فرماں بردار بھی تھا[128]، سرکش اور نافرمان نہیں تھا۔ اور اُس پر سلامتی (کی بشارت) تھی، جس دن

''...اِس اشارے کے اندر یہ بات مضمر تھی کہ وہ قدرت کے کسی بہت بڑے راز کے امین ہیں جس کے اظہار کا وقت ابھی نہیں آیا ہے۔ لوگ خدا کی حمد و تسبیح میں مشغول رہ کر اُس کا انتظار کریں اور دیکھیں کہ پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔'' (تدبر قرآن ۴/ ۶۳۸)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۱۲۵؎ یعنی تورات کو۔ یہ ہدایت اِس لیے ہوئی کہ شیاطین جن و انس کو سب سے بڑھ کر دشمنی کتاب الٰہی ہی سے ہوتی ہے۔ چنانچہ اُس کے حاملین کو وہ اُس سے برگشتہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔

۱۲۶؎ اصل میں لفظ 'حَنَان' آیا ہے۔ اِس کے معنی محبت، ذوق و شوق اور سوز و گداز کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے پر خاص کرم فرماتا ہے تو اُسے اِن چیزوں سے بھی حصۂ وافر عطا کر دیتا ہے۔ اِس لیے کہ انسان کے قلب و روح کی زندگی اِنھی چیزوں سے عبارت ہے۔ حضرت یحییٰ پر یہ عنایت کس درجے میں تھی؟ اِس کا کچھ اندازہ انجیل میں اُن کے ارشادات سے کیا جا سکتا ہے۔ اُن کی دعوت کا ایک خاص رنگ تھا۔ وہ لوگوں سے گناہوں کی توبہ کراتے اور توبہ کرنے والوں کو روح و جسم، دونوں کی پاکیزگی کے لیے غسل کراتے تھے۔ اِسی بنا پر اُنھیں یوحنا بپتسمہ دینے والا (John the Baptist) کہا جاتا ہے۔ اُنھیں مسیح علیہ السلام کا ارہاص بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ وہ اُن کی منادی کرتے تھے کہ توبہ کرو، اِس لیے کہ خدا کی بادشاہی قریب آ گئی ہے*۔ اِسی طرح کہتے تھے کہ میں بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو**۔

۱۲۷؎ حضرت مسیح نے فرمایا تھا کہ جو عورتوں سے پیدا ہوئے ہیں، اُن میں یوحنا بپتسمہ دینے والے سے بڑا کوئی

* متی ۳: ۲۔

** یوحنا ۱: ۲۳۔

وَيَوۡمَ يَمُوۡتُ وَيَوۡمَ يُبۡعَثُ حَيًّا ﴿۱۵﴾

وہ پیدا ہوا اور جس دن مرے گا اور جس دن زندہ اٹھایا جائے گا۔[۱۲۹] ۱۲-۱۵

نہیں ہوا۔* اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ زہد و تقویٰ میں بھی وہ کس مقام پر تھے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''...اُن کی ساری زندگی ترک دنیا کی زندگی تھی۔ اُنھوں نے توبہ کی منادی اِس زور و شور سے کی کہ اُس سے دشت و جبل گونج اٹھے۔ ہیکل میں تقریر کرتے تو لوگوں کے دل دہل جاتے۔ لیکن اِس دنیا سے اُن کا تعلق صرف دینے کے لیے تھا، اِس سے لیا اُنھوں نے کچھ بھی نہیں۔ جنگل کے شہد اور اُس کی ٹڈیوں پر گزارہ کرتے، کمبل کی پوشاک سے بدن ڈھانکتے اور جس سر کو چھپانے کے لیے اِس دنیا میں کوئی چھت نہیں بنائی، اُس کو خدا کی کتاب کی خاطر کٹوا کر اِس دنیا سے رخصت ہو گئے۔'' (تدبر قرآن ۴/۶۳۹)

یہ واقعہ اِس طرح ہوا کہ اُس عہد کے یہودی فرماں روا ہیرود اینٹی پاس کی فاسقانہ حرکات پر حضرت یحییٰ کی تنقیدوں کے جرم میں اُنھیں قید کر دیا گیا۔ وہ جیل ہی میں تھے کہ ہیرود کی سالگرہ کے جشن میں ہیرودیاس کی بیٹی کے رقص سے متاثر ہو کر ہیرود نے اُس سے پوچھا کہ مانگ کیا مانگتی ہے؟ یہ ہیرودیاس ہیرود کے بھائی فلپ کی بیوی تھی جسے اس نے اپنے گھر ڈال رکھا تھا۔ بیٹی نے اپنی فاحشہ ماں سے پوچھا کہ کیا مانگوں؟ ہیرودیاس حضرت یحییٰ کی دعوت کو اپنے جیسی عورتوں کے لیے خطرہ سمجھتی تھی۔ اُس نے بیٹی سے کہا کہ یحییٰ کا سر مانگ لے۔ ہیرود اگرچہ یحییٰ علیہ السلام کو ایک مقدس آدمی سمجھ کر اُن کا احترام کرتا تھا، مگر محبوبہ کی بیٹی کا تقاضا رد نہیں کر سکا۔ اُس نے قید خانے سے اُن کا سر کٹوا کر منگوایا اور رقاصہ کی فرمایش کے مطابق ایک تھال میں رکھ کر اُس کی نذر کر دیا۔**

یہاں یہ امر واضح رہے کہ یحییٰ علیہ السلام کی جس فقیرانہ زندگی کا ذکر اوپر ہوا ہے، وہ اُنھوں نے اِس لیے اختیار کی کہ وہ اور مسیح علیہ السلام، دونوں بنی اسرائیل پر اتمام حجت سے پہلے آخری اتمام حجت کے لیے آئے تھے۔ وہ اُس بستی میں گھر کیا بناتے جو سیلاب کی زد میں تھی اور اُس درخت کی بہار کیا دیکھتے جس کی جڑوں پر کلہاڑا رکھا ہوا تھا۔ ایک ایک دروازے پر دستک دے کر لوگوں کو آنے والے طوفان سے خبردار کرنے والے اپنا گھر بسانے اور اپنا کھیت اگانے میں لگ جاتے تو اپنے فرض سے کوتاہی کے مرتکب قرار پاتے۔ چنانچہ دونوں نے تجرد و انقطاع کا طریقہ

* متی ۱۱:۱۱۔

** متی ۱۴:۳-۱۲۔ مرقس ۶:۱۷-۲۹۔ لوقا ۳:۱۹-۲۰۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اختیار کیا، قوت لا یموت پر اکتفا کی، درویشوں کا لباس پہنا اور زمین و آسمان ہی کو چھت اور بچھونا بنا کر زندگی بسر کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

۱۲۸؎ یعنی اِس کے باوجود نہایت فرماں بردار تھے کہ ولادت سے لے کر تعلیم و تربیت تک کسی معاملے میں بھی والدین کے محتاج نہیں رہے، بلکہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں اِن تمام مراحل سے گزرے۔

۱۲۹؎ یہ زندگی کے ہر مرحلے میں اُن کے لیے فرشتوں کی مبارک سلامت کا حوالہ ہے جس سے وہ اُن کا استقبال کریں گے۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

محمد وسیم اختر مفتی

حضرت عیاش بن ابو ربیعہ رضی اللہ عنہ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

حضرت عیاش بن ابو ربیعہ کے والد کا اصل نام عمرو تھا،ان کے پاؤں لمبے تھے،اس لیے ذوالرمحین (دو نیزوں والے) کے لقب سے مشہور تھے۔مغیرہ بن عبداللہ ان کے دادا تھے۔وہ اپنے پانچویں جد مخزوم بن یقظہ کی نسبت سے مخزومی کہلاتے ہیں۔ابوعبدالرحمٰن یا ابوعبداللہ ان کی کنیت تھی۔حضرت عیاش ابوجہل اور حارث بن ہشام کے ماں شریک سوتیلے بھائی تھے۔ان کی والدہ ام الجلاس اسماء (کبریٰ) بنت مخرمہ (محربہ: مزی، مخربہ: ابن عبدالبر) تمیمی کی شادی پہلے ابوجہل کے والد ہشام بن مغیرہ سے ہوئی۔ہشام نے انھیں طلاق دے دی تو ان کے بھائی ابو ربیعہ عمرو بن مغیرہ سے ان کا بیاہ ہوا۔اس طرح ابوجہل ماں جایا ہونے کے ساتھ ان کا تایا زاد بھی بن گیا۔حضرت عبداللہ بن ابو ربیعہ حضرت عیاش کے سگے بھائی تھے۔حضرت خالد بن ولید ان کے چچا زاد تھے۔

حضرت عیاش بن ابو ربیعہ 'اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'* میں شامل تھے۔ابن اسحٰق کی مرتب کردہ فہرست کے مطابق دین اسلام کی طرف سبقت کرنے والوں میں حضرت عیاش کا نمبر ستائیسواں اور ان کی اہلیہ حضرت اسماء بنت سلمہ کا اٹھائیسواں تھا۔۵؍ نبوی میں دور اسلامی کی پہلی درس گاہ دار ارقم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے سے پہلے وہ ایمان لا چکے تھے۔

حضرت عیاش بن ابو ربیعہ نے حبشہ اور مدینہ، دونوں شہروں کی طرف ہجرت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ بعثت نبوی کے تیسرے سال حکم ربانی نازل ہوا:'فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ'' (اے نبی)، آپ کو جو حکم نبوت ملا ہے، اسے

---

* التوبہ ۹: ۱۰۰۔

ہانکے پکارے کہہ دیجیے‘‘ (الحجر ۱۵: ۹۴)۔ جب آپ کی عمومی دعوت اہل مکہ کے دلوں پر اثر کرنے لگی اور دین اسلام کا چرچا ہونے لگا تو مشرک سرداروں کو اپنے بتوں کی خدائی خطرے میں نظر آنے لگی۔ انھوں نے نومسلم کمزوروں اور غلاموں پر ظلم وستم ڈھانے شروع کر دیے۔ اشراف قریش میں سے کوئی شخص ایمان لاتا تو ابوجہل مخزومی اس کی بے عزتی کرتا اور کہتا تو نے اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ دیا ہے جو تم سے بہتر تھے۔ اگر کوئی تاجر مشرف بہ اسلام ہوتا تو اس کی تجارت درہم برہم کرنے کی دھمکی دیتا اور اگر کوئی مفلس دولت ایمان پا لیتا تو اسے مارتا پیٹتا، جسمانی اذیتیں پہنچاتا اور بھوکا پیاسا رکھتا۔ جب وہ بالکل بے سدھ ہو جاتا تو کفریہ کلمات کہنے پر مجبور کرتا۔ حضرت عیاش بن ابوربیعہ مسلمان ہوئے تو ان کے قبیلہ بنومخزوم کے لوگوں نے فیصلہ کیا کہ انھیں اور بنومخزوم کے دوسرے نومسلم نوجوانوں حضرت ولید بن ولید اور حضرت سلمہ بن ہشام کو گرفتار کر کے سزا دیں۔ یہ حضرت ولید کے بھائی ہشام بن ولید کے پاس گئے تو اس نے کہا: انھیں سرزنش کر لو، لیکن خبردار جو میرے بھائی کی جان لی، ورنہ میں تمھارے سب سے زیادہ معزز سمجھے جانے والے شخص کو ٹھکانے لگا دوں گا۔ ہشام بن ولید اور ان کے تیسرے بھائی خالد بن ولید بعد میں مسلمان ہوئے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

نبوت کے پانچویں سال قریش کی ایذا رسانیوں کا سلسلہ عروج کو پہنچ گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: ’’تم اللہ کی سرزمین میں بکھر جاؤ‘‘۔ پوچھا: یا رسول اللہ، ہم کہاں جائیں؟ آپ نے حبشہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: ’’وہاں ایسا بادشاہ حکمران ہے جس کی سلطنت میں ظلم نہیں کیا جاتا۔ وہ امن اور سچائی کی سرزمین ہے، (وہاں اس وقت تک قیام کرنا) جب تک اللہ تمھاری سختیوں سے چھٹکارے کی راہ نہیں نکال دیتا۔‘‘ چنانچہ رجب ۵/ نبوی (۶۱۵ء) میں سب سے پہلے حضرت عثمان بن مظعون کی قیادت میں سولہ اہل ایمان نصف دینار کرایہ پر کشتی لے کر حبشہ روانہ ہوئے، پھر حضرت جعفر بن ابوطالب کی سربراہی میں دو کشتیوں پر سوار سڑسٹھ اہل ایمان کا دوسرا گروپ نکلا۔ حضرت عیاش بن ابوربیعہ، ان کی اہلیہ حضرت اسماء بنت سلمہ دارمی، بنومخزوم کے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد اور حضرت سلمہ بن ہشام اسی گروپ میں شامل تھے۔ یہ پہلی ہجرت حبشہ تھی۔ دونوں گروپوں کے مہاجرین کی مجموعی تعداد تراسی (ایک سو نو: ابن جوزی) تھی۔ حضرت عیاش کے بیٹے عبداللہ بن عیاش کی پیدایش حبشہ میں ہوئی۔

شوال ۵/ نبوی میں قریش کے قبول اسلام اور ان کی طرف سے مسلمانوں پر ہونے والا تشدد بند ہونے کی افواہ حبشہ میں موجود مسلمانوں تک پہنچی تو ان میں سے کچھ یہ کہہ کر مکہ کی طرف واپس روانہ ہو گئے کہ ہمارے کنبے ہی ہمیں زیادہ محبوب ہیں۔ مکہ پہنچنے سے پہلے ہی ان کو معلوم ہو گیا کہ جو خبر انھیں سنائی گئی، جھوٹ تھی تو ان میں سے اکثر حبشہ

لوٹ گئے۔ابن سعد کہتے ہیں کہ کل تینتیس اصحاب مکہ میں داخل ہوئے اور جب ان کی قوم اور خاندان کی طرف سے اذیت رسانی کا سلسلہ پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ دوبارہ شروع ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بار دگر حبشہ جانے کی اجازت دے دی۔ یہ حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ تھی۔اس اثنا میں کچھ مہاجرین حبشہ کو مشرکوں نے قید کر لیا اور کچھ وہیں ٹھیر گئے۔حضرت عیاش بن ابوربیعہ اور حضرت سلمہ بن ہشام ان لوگوں میں شامل تھے جو مکہ میں مقیم رہے۔

ابن عقبہ اور ابو معشر کے خیال میں حضرت عیاش بن ابوربیعہ نے ہجرت حبشہ میں حصہ نہیں لیا۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو مدینہ ہجرت کرنے کا اذن دیا تو حضرت عمر، حضرت عیاش بن ابوربیعہ اور حضرت ہشام بن عاص نے اکٹھے مدینہ ہجرت کرنے کا پروگرام بنایا۔انھوں نے علی الصبح مدینہ سے دس میل باہر مقام سرف سے آگے بنو غفار کے تالاب کے پاس تنضب نامی خاردار درختوں کے جھنڈ میں ملنے کا وعدہ کیا۔حضرت عمر اور حضرت عیاش تو حسب وعدہ پہنچ گئے، لیکن حضرت ہشام کو مشرکوں نے بندی بنا لیا۔دونوں اصحاب مدینہ روانہ ہوئے اور بہ خیر و عافیت قبا پہنچ گئے۔انھوں نے قبیلۂ بنو عمرو بن عوف کے ہاں قیام کیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مکہ میں تھے کہ حضرت عیاش کے ماں جایے ابوجہل بن ہشام اور حارث بن ہشام قبا پہنچے اور کہا: ان کی والدہ نے قسم کھا لی ہے کہ وہ سر میں تیل لگائے گی نہ سائے میں بیٹھے گی جب تک تمھیں دیکھ نہ لے گی۔حضرت عمر نے مداخلت کی اور کہا: عیاش، اصل بات یہ ہے کہ آپ کی قوم آپ کو دین اسلام سے ہٹانا چاہتی ہے، اس لیے ان سے بچ کر رہیں۔ آپ کی والدہ کو جوؤں نے تنگ کیا تو وہ ضرور کنگھی کر لیں گی اور مکہ کی دھوپ نے انھیں ستایا تو وہ ضرور سایے میں آ جائیں گی۔حضرت عیاش نے کہا: میں اپنی والدہ کی قسم پوری کروں گا۔وہاں میرا مال بھی تو ہے، اسے لے آؤں گا۔ حضرت عمر نے کہا: آپ کو معلوم ہے کہ میں قریش کے مال داروں میں سے ہوں۔میرا آدھا مال لے لیں اور ان کے ساتھ نہ جائیں۔حضرت عیاش اپنی ضد پر قائم رہے تو حضرت عمر نے اپنی اونٹنی ان کے حوالے کی اور نصیحت کی کہ اس کی پیٹھ سے نہ اترنا اور اگر ان مشرکوں کی طرف سے کوئی شبہ ہوا تو اسی پر بھاگ آنا۔راستے میں ابوجہل نے کہا: بھتیجے، میرا اونٹ ہٹ پر آیا ہے۔ مجھے اپنے ساتھ بٹھا لو۔حضرت عیاش نے اسے سوار کرنے کے لیے اونٹنی کو بٹھایا ہی تھا کہ سوتیلے بھائیوں نے جھپٹ کر ان کو باندھ دیا اور اسی طرح مکہ میں لے آئے۔شہر میں داخل ہوتے ہی ان کٹے مشرکوں نے نعرہ لگایا: اے اہل مکہ، دیکھو، ہم نے اپنے نادان بچے کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔تم بھی اپنے نادانوں کے ساتھ یہی سلوک کرو۔حارث بن یزید عامری مکہ میں حضرت عیاش کو ایذائیں دیا کرتا تھا، اس نے انھیں باندھنے میں ابوجہل اور حارث بن ہشام کی مدد بھی کی تھی۔اس موقع پر انھوں نے قسم کھائی کہ موقع ملتے ہی حارث کو قتل کر دوں گا۔

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

اسیری ختم ہونے کے بعد وہ مدینہ پہنچے تو حضرت حارث بقیع غرقد میں کھڑے تھے۔ حضرت عیاش نے دیکھتے ہی ان کو مار ڈالا۔ انھیں علم نہ تھا کہ وہ ایمان لا چکے ہیں۔ اس موقع پر یہ حکم ربانی نازل ہوا: 'وَمَا کَانَ لِمُؤۡمِنٍ اَنۡ یَّقۡتُلَ مُؤۡمِنًا اِلَّا خَطَئًا'، ''کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ دوسرے مومن کو قتل کرے، مگر غلطی سے'' (النساء ۴: ۹۲)۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں فوراً ایک غلام آزاد کرنے کا حکم ارشاد کیا۔

عیاش کے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے اور مکہ میں محبوس دیگر مستضعفین کے لیے دعاے قنوت مانگنا شروع کی۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں: آپ نماز عشا (یا فجر) کی آخری رکعت میں 'سمع اللّٰہ لمن حمدہ' کہنے کے بعد بہ آواز بلند دعا فرماتے: 'اللّٰھم انج عیاش بن أبي ربیعة، اللّٰھم انج سلمة بن ھشام، اللّٰھم انج الولید بن الولید، اللّٰھم انج المستضعفین من المؤمنین، اللّٰھم اشدد وطأتك علی مضر، اللّٰھم اجعلھا (علیھم) سنین کسني یوسف'، ''اے اللہ، عیاش بن ربیعہ کو نجات دے، اے اللہ، سلمہ بن ہشام کو بچا لے، اے اللہ، ولید بن ولید کو چھڑا دے، اے اللہ، کمزور اہل ایمان کو مشرکوں سے چھٹکارا دلا دے۔ اے اللہ، مضر کے کافروں کو خوب پیس ڈال۔ یا اللہ، یوسف کے زمانۂ قحط کے سالوں کی طرح ان کے ایام و سال سخت کر دے'' (بخاری، رقم ۳۳۸۶۔ مسلم، رقم ۱۴۸۴۔ نسائی، رقم ۱۰۷۴)۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ آپ نے ۱۵؍ رمضان سے آخر رمضان تک یہ دعا مانگی، پھر عید کی صبح چھوڑ دی۔ دوسری روایت میں ایک ماہ کی مدت کا ذکر ہے۔ مختلف روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وقتاً فوقتاً یہ دعا مانگتے رہے تا آں کہ حضرت ولید بن ولید، حضرت سلمہ بن ہشام اور حضرت عیاش بن ابوربیعہ کفار کی قید سے چھوٹ گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات نماز فجر میں رکوع سے اٹھنے کے بعد عرب قبائل کے نام لے کر لعنت بھیجتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل کر کے آپ کو منع کر دیا: 'لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ اَوۡ یَتُوۡبَ عَلَیۡھِمۡ اَوۡ یُعَذِّبَھُمۡ فَاِنَّھُمۡ ظٰلِمُوۡنَ' (آل عمران ۳: ۱۲۸)، ''آپ کا اس معاملے میں کوئی اختیار نہیں، اللہ ان کو توفیق توبہ دے یا انھیں عذاب میں مبتلا کرے، یقیناً یہ حد سے بڑھنے والے ہیں'' (بخاری، رقم ۴۵۶۰۔ مسند احمد، رقم ۷۴۶۵)۔ مسند احمد کی روایت ۹۲۸۵ میں ذکر ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی دعا نماز ظہر کے بعد مانگی۔

جنگ خندق کے بعد حضرت ولید بن ولید بچ کر مدینہ آ گئے۔ انھوں نے بتایا کہ حضرت عیاش اور حضرت سلمہ سخت تنگی میں ہیں۔ ان دونوں کے پاؤں ایک دوسرے سے بندھے ہوئے ہیں۔ بعض روایات کے مطابق حضرت عیاش اپنی والدہ کی سختی اور اہل قبیلہ کے تشدد کی وجہ سے کفریہ کلمات کہنے پر مجبور ہو گئے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

نے حضرت ہشام اور حضرت عیاش کو چھڑا لانے کی ذمہ داری ان کو سونپی۔آپ نے مکہ کے لوہار سے بھی مدد لینے کی ہدایت کی جو مسلمان ہو چکا تھا۔حضرت ولید مکہ میں ان اصحاب کے کھانے پر مامور باندی کا پیچھا کر کے ان کے بندی خانے تک جا پہنچے، دیوار پھلانگ کر ان کی رسیاں کاٹیں اور اونٹ پر سوار کر کے مدینہ لے آئے۔قریش کو ان کے نکلنے کی خبر ہوئی تو خالد بن ولید کو ایک فوج دے کر ان کے پیچھے بھیجا۔یہ اصحاب سمندر کے کنارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق ہجرت پر گامزن تھے۔خالد بن ولید عسفان تک آئے اور انھیں نہ پا سکے۔حضرت عیاش کی والدہ بعد میں مسلمان ہو گئیں۔

مکہ میں قید ہونے کی وجہ سے حضرت عیاش بن ابوربیعہ جنگ بدر، جنگ احد اور جنگ خندق میں حصہ نہ لے سکے۔

حضرت علی یمن میں تھے۔حضرت ابوعمرو بن حفص مخزومی جو ان کے ساتھ تھے اپنی زوجہ حضرت فاطمہ بنت قیس کو دو طلاقیں دے چکے تھے۔تیسری طلاق انھوں نے وہاں سے بھجوائی۔انھوں نے پانچ صاع (قریباً پندرہ کلو) کھجوریں اور پانچ صاع (قریباً اٹھارہ سیر) جو بھیجنے کے علاوہ اپنے ہم قبیلہ اور مدینہ میں اپنے مالی معاملات کے ذمہ دار حضرت عیاش بن ابوربیعہ اور حضرت سلمہ بن ہشام کو مطلقہ کو نفقہ دینے کا خط بھی لکھا۔ان دونوں نے کہا: ہم اسی صورت نفقہ دیں گے اگر مطلقہ حاملہ ہو۔حضرت فاطمہ بنت قیس خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ نے بھی یہی فیصلہ فرمایا کہ نفقہ حاملہ کے لیے ہوتا ہے (مسلم، رقم ۳۶۹۷، ۳۷۰۶۔ابوداؤد، رقم ۲۲۹۰۔نسائی، رقم ۳۲۲۴۔مسند احمد، رقم ۲۷۳۳۴)۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں رومی فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے حضرت اسامہ بن زید کی سربراہی میں لشکر بھیجنے کا حکم صادر فرمایا۔تب بہ شمول حضرت عیاش بن ابی ربیعہ کچھ صحابہ نے ان کی صغرسنی پر اعتراض کیا۔آپ نے فرمایا: تم لوگ تو اس کے باپ کی امارت پر اعتراض کرتے تھے۔واللہ، اسامہ لشکر کی سربراہی کی اہلیت رکھتا ہے اور مجھے محبوب ترین ہے (بخاری، رقم ۳۷۳۰۔ترمذی، رقم ۳۸۱۶)۔

حضرت عیاش بن ابوربیعہ نے شام کی جنگوں میں حصہ لیا، مشہور روایت کے مطابق وہ ۱۳ھ میں جنگ یرموک میں جہاد کرتے ہوئے مقام شہادت پر فائز ہوئے۔ان کا سن وفات ۱۵ھ بھی بتایا جاتا ہے جب خلعت خلافت حضرت عمر فاروق کے پاس تھی۔یہ بھی کہا گیا کہ ان کی شہادت عہد صدیقی میں جنگ یمامہ میں ہوئی۔ذہبی نے ان کا نام شہداے اجنادین و یرموک کی مشترکہ فہرست میں شامل کیا ہے (سیر اعلام النبلاء)۔ایک اور روایت کے مطابق وہ

شام سے مکہ چلے آئے اور وہیں ان کی وفات ہوئی۔ ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عیاش مدینہ میں مقیم رہے۔

حضرت عیاش بن ابوربیعہ نے براہ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کی۔ ان سے ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عیاش، پوتے حضرت حارث بن عبداللہ، حضرت انس بن مالک، عبدالرحمٰن بن سابط، نے فرمان رسول نقل کیے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز اور حضرت عمر کے آزاد کردہ حضرت نافع نے ان سے حدیث مرسلاً روایت کی ہے۔

حضرت عیاش بن ابوربیعہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ امت جب تک حرم کعبہ کی کماحقہٗ تعظیم کرتی رہے گی، خیر و عافیت سے رہے گی۔ اہل ایمان جب اس فرض کو ادا نہ کریں گے تو تباہ ہو جائیں گے (مسند احمد، رقم ۱۹۰۴۹)۔ حضرت عیاش بن ابوربیعہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: قیامت سے پہلے ایک آندھی چلے گی جس میں تمام اہل ایمان کی روحیں قبض ہو جائیں گی (مستدرک حاکم، رقم ۸۵۰۳۔ مسند احمد، رقم ۱۵۴۶۳)۔ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عیاش کے گھر گئے تو ان کی والدہ حضرت ام الجلاس اسماء بنت مخرمہ حضرت عیاش کا بیمار بیٹا آپ کے سامنے لائیں، آپ نے اسے دم کیا (کنز العمال، رقم ۳۷۴۵۵)۔

حضرت عیاش کی بیٹی حضرت ام حارث صحابیہ تھیں۔ حضرت عیاش بن ابوربیعہ کے پوتے حارث بن عبداللہ اجل تابعین میں سے تھے۔ قباع ان کا لقب تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے اپنے عہد خلافت میں انھیں بصرہ کا والی مقرر کیا۔ حارث کے بیٹے عبدالرحمٰن کا شمار کبار تبع تابعین میں ہوتا ہے۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، الجمل من انساب الاشراف (بلاذری)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبدالبر)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال (مزی)، تاریخ الاسلام (ذہبی)، البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)، تہذیب التہذیب (ابن حجر)۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ساجد حمید

کلام کی ایک اہم خوبی: مقدرات

نومبر ۲۰۱۷ء کے اشراق کے شمارہ میں ہمارا ایک مضمون نظمِ قرآن کے حوالے سے شائع ہوا تھا۔ ہم نے اس میں مقدر مقدمات کو نظم قرآن کی کلید قرار دیا تھا۔ اس کے بارے میں یہ سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مقدمات کو مقدر کیوں رکھا، کلام کو بسیط کیوں نہیں بنایا کہ نظم کا مسئلہ ہی پیدا نہ ہوتا؟

اس کا ایک پہلو تو وہ ہے کہ جسے ہم نے عربوں کے طرز تخاطب کا پسندیدہ ترین وصف قرار دیا تھا کہ 'خیر الکلام قل و دل'، اس لیے ان کے لیے موثر کلام وہی ہو سکتا تھا جو ان کے اس اسلوب پر بہ حسن وخوبی پورا اترتا ہو۔ ذیل میں ہم ایک مثال سے بات کو سمجھاتے ہیں، جس میں عربوں کا کلام مختصر کرنے کے طریقے کی ندرت شاید کچھ واضح ہوگی:

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى. (طٰہٰ ۲۰: ۷)

''اور اگر تم قول کو بلند آواز سے کہو، تو وہ مخفی، بلکہ مخفی تر باتوں کو جانتا ہے۔''

اس آیت کا میں نے صرف ترجمہ کر دیا ہے۔ ترجمہ میں دیکھیے کہ ہم اردو مذاق لوگوں کو ایک خلا سا نظر آئے گا۔ یعنی پہلے کہا گیا کہ اگر تم بلند آواز میں بولو، پھر کہا گیا کہ اللہ پوشیدہ اور مخفی باتوں کو جانتا ہے۔ یہ بتایا ہی نہیں کہ وہ بلند آواز سے کہی گئی بات کو جانتا ہے یا نہیں۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ مخفی بات آ کہاں سے گئی؟ اس لیے کہ بات تو بلند آواز سے کہے گئے قول کے بارے میں ہو رہی تھی۔ جملہ تو یوں ہونا چاہیے تھا کہ اگر تم بلند آواز سے بولو تو اللہ اس کو جانتا ہے۔ یہ خلا ہمیں اس لیے نظر آ رہے ہیں کہ ہم عربوں کے اسلوب میں بات نہیں کرتے۔ لیکن اردو میں ہم ایک ملتا جلتا اسلوب رکھتے ہیں، لیکن وہ عموماً جملوں کے اختتام پر آتا ہے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں: ''کل سے میں نے نہ کھانا کھایا اور نہ پانی''۔ یعنی ہم پانی کے بعد ''پیا'' کا فعل حذف کر دیتے ہیں، اس لیے کہ پچھلے کلام اور ''پانی'' کے لفظ

سے واضح تھا۔ تو پورا جملہ یوں تھا: ''کل سے میں نے نہ کھانا کھایا اور نہ پانی پیا''۔ جس طرح ہم نے اردو کا جملہ پورا کیا ہے، ایسے ہی قرآن کا جملہ مکمل کر دیں تو وہ یوں ہو گا:

اگر تم بلند آواز سے بات کرو، تو اللہ اسے جانتا ہے، اور اگر مخفی طریقے سے کرو تو اللہ تمھاری مخفی باتوں کو بھی جانتا ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر مخفی باتوں کو بھی جانتا ہے۔

خط کشیدہ جملے اسی طرح اضافہ کیے گئے ہیں، جس طرح اردو کے جملے میں ہم نے ''پیا'' کا اضافہ کیا ہے۔ لہٰذا استاذ گرامی نے اس کا ''البیان'' میں ترجمہ یوں کیا ہے:

''تم چاہے اپنی بات علانیہ کہو (یا چپکے سے کہو، اس سے کچھ چھپا ہوا نہیں ہے) اس لیے کہ وہ چپکے سے کہی ہوئی بات بلکہ اس سے زیادہ مخفی بات کو بھی جانتا ہے۔''

اگرچہ تمام زبانیں، یا کم از کم جتنی میں زبانیں جانتا ہوں، ان میں کم و بیش یہ اسلوب بعینہٖ پایا جاتا ہے۔ یعنی ہر زبان کے سادہ ترین جملوں سے لے کہ نہایت گہری معنویت کے حامل کلام میں معنویت مقدماتِ مقدرہ پر منحصر ہوتی ہے۔ فرق صرف شدت یا مقدار کا ہے۔ عرب کم سے کم الفاظ سے اظہار مدعا کرنا چاہتے تھے۔ گویا یہ معاملہ ویسا ہی تھا:

دل کے لیے ہزار سود ایک نگاہ کا زیاں

عرب ایک لفظ بول کر کے ہزار سود حاصل کرنے کے رسیا تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں اردو غزل کا مضمون ہو نہ ہو، اسلوب میں غزل کا رنگ پایا جاتا ہے۔ یعنی غزل کے ہر ایک شعر کی طرح چند الفاظ میں بات کہہ دی جائے، اس لیے قرآن مجید کا کلام اسی آفاقی اسلوب میں ہے جس پر تمام بنی نوع انسان کا اجماع اور مسلسل عمل ہے۔ البتہ شدتِ تقدیر (مقدمات کو مقدر کرنا) عربوں کی سنتِ کلام پر ہے۔ اس اسلوب کے آفاقی ہونے کے کچھ اسباب ہیں:

پہلا سبب

ایک یہ کہ انسان اپنی فطرت میں عجلت پسند ہے۔ وہ جلد سے جلد اپنا پیغام پہنچانا چاہتا ہے۔ اس عجلت پسندی نے اسے یہ سکھایا کہ وہ مقدر باتوں کا سہارا لیا کرے۔ مثلاً مجھے کالج کے زمانے میں حیرانی ہوتی تھی کہ جب بھی لوگ بس میں بیٹھتے اور کنڈکٹر جب ان سے ٹکٹ کا پوچھتے تو وہ بس اتنا پوچھتے کہ مثلاً اچھرہ کا کرایہ کیا ہے؟۔ وہ یہ نہیں پوچھتے تھے کہ یہاں سے اچھرے تک کا کرایہ کیا ہے؟۔ بلکہ زیادہ دل چسپ یہ تھا کہ اکثر بس اتنا ہی بولتے: ''اچھرہ کے کتنے''؟ کنڈکٹر کہتا: ''چار آنے''۔ مجھے نہیں یاد کہ کسی کنڈکٹر نے کہا ہو کہ یہاں سے اچھرہ تک کا کرایہ چار آنے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ہے۔بس وہ رقم بتانے پر اکتفا کرتا۔ساری بات واضح ہوتی تھی۔کوئی ابہام نہیں ہوتا تھا۔حافظ شیرازی کے دیوان کی پہلی غزل کا یہ شعر دیکھیے:

شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں ہائل　　کجا دانند حال ما سبک سارانِ ساحل ہا

”اندھیری رات، اندیشۂ موج، اور ہول ناک گرداب بھی، ساحل کے بے فکرے ہمارا حال کہاں جانتے ہیں۔“

اس شعراوراس کے ترجمے میں دیکھیے کہ کتنے خلا ہیں۔باتیں یا جملے مکمل نہیں ہیں، خاص طور سے پہلا مصرعہ، جس میں کوئی مبتداء اور خبر نہیں ہے۔بس الفاظ کی فہرست ہے۔اس شعر میں دیکھیے کہ موج، گرداب، اور دوسرے مصرعے میں ساحل کی موجودگی نے واضح کیا کہ شاعر خود سمندر میں رات کے وقت سفر کر رہا ہے، اور شدید خوف کا شکار ہے۔ان الفاظ کی دلالت کی وجہ سے بظاہر کلام ادھورا چھوڑ دیا گیا، لیکن بغیر کسی ابہام کے بالکل واضح ہے۔

دوسرا سبب

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مقدمات کی تقدیر، (یعنی مقدر رکھنا) کلام کی حدت یا حلاوت کو بڑھا دیتا ہے۔مجھے یاد ہے کہ میری والدہ کی سب سے سریع الاثر ڈانٹ یہ ہوتی تھی: آفرین پتر آفرین! یہ مختصر جملہ گھنٹوں کی تقریر پر بھاری ہوتا تھا۔اب اس میں کیا کیا مقدر ہے، وہ ہر زبان آشنا جان سکتا ہے، بلکہ کہنا چاہیے کہ ڈانٹ کھانے والا بہ خوبی واقف ہوتا ہے۔والدہ کے غصہ کی شدت، ہماری غلطی کی عظمت، والدہ کے ہاں الفاظ کی عدم دستیابی کا اظہار، والدہ کی ڈانٹ کو نہ روک سکنے کی حالت غرض بے شمار چیزیں یہ سہ لفظی مرکب اپنے جلو میں لیے آجاتا تھا۔قرآن مجید میں اللہ کا قیامت کے دن دوزخ سے مکالمہ نقل ہوا ہے:

يَوۡمَ نَقُوۡلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امۡتَلَاۡتِ؟ وَتَقُوۡلُ هَلۡ مِنۡ مَّزِيۡدٍ! (قٓ ۵۰: ۳۰)

”ہم دوزخ سے کہیں گے: کیا تو بھرگئی؟ وہ بولے گی: کیا کچھ اور بھی ہیں!“

اس کلام میں جو حدت ہے، وہ اس کلام میں نہیں ہوسکتی کہ جب یہ کہا جائے کہ جب سارے دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے اور پھر ہم دوزخ سے کہیں گے کہ کیا تو بھرگئی اور وہ بولے گی: نہیں، کیا ابھی اور بھی ہیں۔ابھی بہت گنجایش ہے، میں بہت وسیع ہوں۔یوں کلام بالکل پھیکا ہوجاتا۔اس کی تیزی اور حدت جاتی رہتی۔

تیسرا سبب

فارسی اور اردو غزل میں ایک اور پہلو پیدا ہوتا جاتا ہے کہ اس کا ایک ایک شعر ضرب المثل کے مانند بن جاتا ہے۔

جو بہت سے مناسب مواقع میں فٹ بیٹھ جاتا ہے۔ جس سے معنی کی کئی سطحیں، پرتیں اور پہلو اس میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً مولانا روم کا ایک شعر ہے:

گلشن و گل و ریحاں نروید جز ز دستِ تو

دو چشمہ داری، اے چہرہ، چرا پرنم نمی گردی[1]

اب ذرا غور کریں، اس شعر کو صوفی استعمال کرے تو مقدماتِ سلوک شعر میں مقدر ہوں گے، جس میں صوفیانہ معنی میں گلشن و گل و ریحان نفس انسانی اور اس کے اجزا کے معنی دیں گے اور دونوں چشموں سے ان کی آبیاری سے مراد مرشد کی نگاہ خوش انداز سے ان کی نشوونما اور اصلاح و تطہیر ہو گی۔ فلسفی اس شعر کو اپنی قلم رو میں لے آئے تو دانشِ برہانی کے میدان میں ترقی کے مضامین مقدر ہوں گے۔ دینی معنی میں اسے دیکھا جائے تو توبہ (آنکھ کا پرنم ہونا) اور اس کے فیضان سے متعلق مقدرات کو اس شعر کے منہ میں ڈالا جا سکتا ہے۔ وطنیت کو شعر کا مضمون مانیں، تو ذاتی مفادات سے اٹھ کر گلشن، (یعنی وطن) کی آبیاری کا فریضہ مقدرات کی فوج لے کر آ موجود ہو گا۔ اب کے جدید مغربی رجحانات بھی اس شعر کی تحلیلِ معنوی میں ڈالے جا سکتے ہیں۔ مثلاً فرائڈ کی جنسیت، مارکس کی اشتراکیت اور مشل فوکو کی قوتِ علمی سب کے اعتبار سے شعر معنی آفرینی کر دے گا۔ غرض شعر ہے کہ مولائے روم کی زبان سے نکلی ہوئی معانی کی زنبیل۔ غالب نے اپنے شعر کو بھی ایسا ہی کہا تھا:

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھیے

جو لفظ کہ غالب میرے اشعار میں آوے

غرض اچھے شعر اس اجمال کی بنا پر عمومیت اور آفاقیت اپنے اندر پیدا کر لیتے ہیں۔ لیکن مربوط اور منظّم کلام میں ایسا ممکن نہیں ہے۔ مثلاً اسی شعر کے شروع میں ''اے سالک'' لکھ دیں تو سارے معنی ایک ایک کر کے جھڑ جائیں گے۔ اب صرف سلوک کے مقدرات کی روشنی میں ہر لفظ کو سمجھا جائے گا۔ اب اس کے معنی کی پرتیں، تہیں اور سطحیں صوفیانہ طریقت تک محدود ہو جائیں گی۔

قرآن مجید بھی اپنے سیاق و سباق سے اپنے معنی کو ہدایت الٰہی کی جامعیت عطا کر کے باقی عمومیت کو کلام سے خارج کر دیتا ہے تا کہ مدعائے باری تعالیٰ تخاطب میں پوری طرح منتقل ہو جائے۔ جس سے لائے ہیں بزم ناز سے

[1] دونوں مصرعوں کا بالترتیب ترجمہ یوں ہے: گلشن، گلاب اور گل ریحان تیرے ہی دستِ (فیض) سے روئیدگی پاتے ہیں۔ اے چہرے، تو دو چشموں (آنکھوں) کا مالک ہے، تو پُرنم کیوں نہیں ہوتا (کہ گلشن اور گل و ریحان کو سیراب کرے)۔

www.javedahmadghamidi.com

یا رخبرا لگ الگ، کا امکان ختم ہو جائے اور صرف منشاے الٰہی سامع کی سماعتوں میں معنی آفرینی کرے۔ اب جو پرتیں اور پہلو کلام میں پیدا ہوں گے تو وہ بھی اسی دائرے کے اندر۔ اسی بات کو قرآن مجید نے یوں بیان کیا ہے:

لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ. (حٰمٓ السجدہ ۴۱: ۴۲)	''باطل اس (کتاب) میں نہ دائیں سے آ سکتا ہے نہ بائیں سے۔ یہ حکیم و حمید خدا کی طرف سے پورے اہتمام سے اتارا گیا ہے، (یعنی خدا کی ان صفات کا مظہر ہے)۔''

یہ وصف مولانا روم کے مذکورہ بالا شعر میں موجود نہیں ہے۔ فرائڈ کی جنسیت کی مولانا روم کو ہوا بھی نہیں لگی ہو گی، مگر ہم اس شعر میں اس کو سمو سکتے ہیں۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مولانا روم اس شعر کے مصنف کے طور پر فوت ہو چکے (Author is dead) اب شعر ہمارا ہے جو مرضی اس کے منہ میں ڈال دیں۔ بایں شرط کہ الفاظ کے ظروف اسے اپنے دامن میں بھر لیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ مولانا روم کے اس شعر کے دراصل کوئی معنی ہی نہیں ہیں۔ شیشے کے گلاس کی طرح جس رنگ کا مشروب اس میں ڈال دیں، وہی رنگ اس کا ہو جائے گا۔ غزل کو اپنے اس بلوریں پن پر ناز بھی ہے۔ لیکن قرآن کی کوئی آیت بھی اپنے سیاق و سباق کی پہرے داریوں کی وجہ سے ایسا نہیں ہونے دیتی۔ یہ شیشے کا بے رنگ گلاس نہیں، بلکہ یہ کاس الکرام ہے، جس میں کوئی مے خام سما نہیں سکتی، الّا یہ کہ اس کی آیتوں کو ان کے محل سے جدا کر کے '...یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ...' (النساء ۴: ۴۶) کی طرز پر تحریف کر دی جائے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

چوتھا سبب

قرآن مجید نے مقدرات پر مبنی کلام کو اس لیے بھی اختیار کیا ہے کہ یہ ذہنی تربیت کا ذریعہ بنے۔ علما نے اسے فہم دین کی راہ کی تربیت تک محدود رکھا ہے۔ لیکن اگر قرآن کو مقدرات کی روشنی میں سمجھا جائے تو وہ عبارت، دین اور کائنات کو بھی ایک اور رنگ سے سمجھنے کے علاوہ حکمت اعلیٰ اور منطق حکیمانہ تک لے جاتا ہے۔ یہ وہ ترفع ہے جو فلسفہ و سائنس کی تمام تاریخ میں کبھی انسان کو حاصل نہیں ہوا۔ قرآن مٹی کے اس پتلے کو اپنے اس کلام کی بنا پر فروغِ وادی سینا عطا کر دیتا ہے۔ مضمون کے آخر میں جو مثال آ رہی ہے، اس سے یہ بات واضح ہو گی کہ کس طرح مقدرات میں ملفوف معانی حکمتِ اعلیٰ کو کلام میں پروئے رکھتے ہیں، جسے صاحبِ نظر غور کر کے پا لیتا ہے۔

پانچواں سبب

مقدمات کی تقدیر سے اجمال پیدا ہوتا ہے اور اجمال ذریعۂ جمال ہوتا ہے۔ اَدھ کھلا گلاب جس طرح پورے کھلے گلاب سے جمیل تر ہوتا ہے، اسی طرح ادھ کھلا کلام بھی بسیط کلام کے مقابلے میں جمیل تر ہوتا ہے۔ اس حسن و جمال کے چند پہلو ذیل میں ہیں (کامل استقصا[۲] پیش نظر نہیں):

۱۔ مجمل کلام میں لفظوں کا جڑاؤ چست ہوتا ہے، اور سامع تک ہر ہر لفظ کا اثر پہنچتا ہے۔ طویل کلام بھدا اور بدنما سا محسوس ہونے لگتا ہے۔ مثلاً ''بال جبریل'' اور ''ارمغان حجاز'' علامہ اقبال کی کتابوں کے نام ہیں، مجھے یہ پوری پوری غزلوں کے مقابلے میں زیادہ پر اثر محسوس ہوتے ہیں، کیونکہ ان میں مقدمات حتی الامکان حد سے آگے تک مقدر ہو گئے ہیں۔

۲۔ دوسرے یہ کہ مقدرات کی بنا پر اجمال سے معنی کو پانے کے لیے حس تجسس کا سامان کلام میں پیدا ہو جاتا ہے[۳]۔ اس سے کلام قید خانے کے روزن کی طرح بن جاتا ہے، جس سے قیدی باہر کی دنیا کا نظارہ کرتا ہے۔ جس کی طرف قیدی کی لپک مخفی نہیں ہے۔ مجمل کلام روزنِ زنداں ہی کی طرح پسندیدہ ہوتا ہے کہ معنی کے لیے دیدبان کا کام کرتا ہے، نہ کہ خود سارے معنی سامنے بچھا دیتا ہے۔

۳۔ تیسرے، کلام بسط و کشاد کی بدمزگی سے بچ جاتا ہے۔ طوالت سے پاک کرنے سے چست کلام پیدا ہوتا ہے، جو خود حسن و جمال کا ایک جزو ہے۔ غالب نے کہا ہے: چال جیسے کڑی کمان کا تیر۔ ڈھیلا اور بھدا معشوق طبیب کی نگاہ کو تو شاید بھا جائے، عاشق کے لیے پرکشش نہیں ہوتا۔ یہی معاملہ کلام کا ہے۔ اسے کڑی کمان سے نکلے تیر کی طرح سیدھا دل میں ترازو ہونا چاہیے، ورنہ وہ سینے سے ٹکرا کر نیچے گر جائے گا، دل تک نہ پہنچ سکے گا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

چھٹا سبب

یہ مقدر مقدمات دراصل انسانی ذہن کی ایک مستقل ضرورت ہیں۔ انسان خواہ وہ عامی ہو یا عارف، اپنے دل میں عرفان کا جذبۂ فراواں رکھتا ہے۔ جب وہ کلام کے بولے گئے لفظوں کی روشنی میں مقدر مقدمات کو دریافت کرتا ہے تو اس کا جذبہ معرفت اہتزاز کی لذت پاتا ہے۔ دریافت سے حاصل اہتزاز کی یہ لذت تاثیر سے لے کر جذبۂ عمل

۲؎ Comprehensive list۔

۳؎ اس پر الگ سے ایک مستقل نکتے کے طور پر آگے بات ہوگی۔ دیکھیے: چھٹا سبب۔

تک سب کو جلا دیتی ہے۔ یہ مقدرات پر مبنی کلام کا شاید سب سے زیادہ دل نواز پہلو ہے۔ انسان ابتداے آفرینش سے آج تک عرفان کے لیے جویا ہے۔ مشرق و مغرب میں اس کی یہ تڑپ اس کو سادہ لوحی سے لوک کتھا (mythology)، لوک کتھا سے مابعد الطبیعات اور مابعد الطبیعات سے سائنس تک لے کر آئی ہے۔ اسی کی بنا پر وہ خدا کے دیے دین کو بیگانہ سمجھ کر ان مذکورہ بالا راہوں میں بھٹکتا پھرا ہے۔ مقدرات سے مملو کلام کا ہر جملہ اس کے اسی جذبے کی تسکین کا سبب بنتا ہے۔ ایسا تہ دار کلام اسی لیے انسانوں کو پسند آتا ہے کہ اس کے معنی کا فہم اس کی دریافت بن جاتا ہے۔ سورۂ لقمان کی ذیل کی آیات سے اس دریافت کو سمجھتے ہیں:

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا لُقۡمٰنَ الۡحِکۡمَۃَ اَنِ اشۡکُرۡ لِلّٰہِ وَمَنۡ یَّشۡکُرۡ فَاِنَّمَا یَشۡکُرُ لِنَفۡسِہٖ وَمَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ. وَاِذۡ قَالَ لُقۡمٰنُ لِابۡنِہٖ وَھُوَ یَعِظُہٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشۡرِکۡ بِاللّٰہِ اِنَّ الشِّرۡکَ لَظُلۡمٌ عَظِیۡمٌ. وَوَصَّیۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَیۡہِ حَمَلَتۡہُ اُمُّہٗ وَھۡنًا عَلٰی وَھۡنٍ وَّفِصٰلُہٗ فِیۡ عَامَیۡنِ اَنِ اشۡکُرۡلِیۡ وَلِوَالِدَیۡکَ اِلَیَّ الۡمَصِیۡرُ. (۳۱: ۱۲-۱۴)

’’اور ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی، کہ اللہ کے شکر گزار رہو، تو جو شکر گزار رہے گا، تو اپنے لیے ہی رہے گا۔ تو جو ناشکری کرے گا تو اللہ تو اس کا محتاج نہیں، بلکہ غنی و حمید ہے۔ اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو سمجھایا کہ اے بیٹے، اللہ سے شرک نہ کرنا، شرک سب سے بڑا ظلم ہے، اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں ہدایت دی جس کو اس کی ماں نے دکھ پر دکھ جھیل کر اس کو پیٹ میں رکھا، اور دو سال میں اس کا دودھ چھڑانا ہوا کہ میرے شکر گزار رہو اور اپنے والدین کے بھی۔ میری ہی طرف سب کو لوٹنا ہے۔‘‘

اس کلام کو جن مقدرات کے حوالے کیا گیا ہے، وہ اس مضمون کے تنگ نائے میں بیان میں لائے جائیں تو کئی صفحات پر مبنی تفسیر بن جائے گی۔ میں ایک نکتے کی طرف اشارہ کروں گا تاکہ قرآن کے اس اسلوب کی حکمت سمجھ میں آئے۔ اس میں شکر، شرک، ظلم عظیم، والدین اور ان کا اور اللہ کا شکر جس طرح سے اس محل میں دیگر باتوں کے ساتھ اکٹھے کیے گئے ہیں، وہ نہ صرف شکر کی حقیقت کو بتا گئے ہیں، بلکہ شرک اور شکر میں تضاد و تنافر کا تعلق بھی واضح کر گئے ہیں۔

دیکھیے، یہاں ماں کا یہ تکالیف جننا شکر کا باعث بتایا گیا ہے۔ لیکن خدا کے شکر کا ذکر تو کیا، وجہ کا ذکر نہیں کیا۔ گویا اگر محض تولّد والدہ کی شکر گزاری کا سبب ہے تو خدا کی شکر گزاری کا سبب خود بخود واضح ہوا کہ وہ اللہ کا خالق ہونا ہے۔ پھر مزید دیکھیے شرک کے سیاق میں ماں کے ذکر کی ایک اور جہت واضح ہوتی ہے۔ جس طرح ماں کی جگہ کوئی اور خاتون نہیں لے سکتی، اسی طرح خدا کی جگہ اور کوئی نہیں لے سکتا۔ اسی سے شرک کی حقیقت اور اس سے وابستہ غیرت واضح

ہوئی۔ جہاں میری ماں کا مجھے جننا اس کے لیے میرے دل میں اخلاص پیدا کر رہا ہے تو وہیں خدا میری تخلیق کی وجہ سے اس اخلاص کا کیوں حق دار نہیں ہے، یعنی جس طرح میں ماں کا مرتبہ کسی اور خاتون کو نہیں دے سکتا، اسی طرح اپنے خالق کی جگہ بھی کسی اور کو نہیں دے سکتا۔ یوں شرک محبت، اخلاص اور تعلق کے منافی عمل کے طور پر سامنے آتا ہے، محض عقیدہ نہیں رہتا۔ اب بتایئے جو بیٹا اپنی ماں کو چھوڑ کر کسی اور عورت کو ماں کا درجہ دے کر شکر گزار رہنے لگے تو کیا یہ ظلم عظیم نہیں ہوگا؟ اسی پر شرک باللہ کو قیاس کر لیں۔

اب ماں کا یہ مقام واضح ہوا، اللہ نے والدین بالخصوص والدہ کے ساتھ شکر گزاری کو اپنے ساتھ شامل کر لیا، اس لیے کہ اللہ اگر خالق ہے تو والدین 'مُتوَلِّد' ہیں۔ لیکن اس بڑے تعلق کے باوجود ماں کو صرف شکر میں شریک کیا ہے، الوہیت میں نہیں۔ اس کے بعد بتایئے کہ غیر خالق اور غیر متولد کو شریک کرنا کہاں ممکن رہے گا؟ یہ وہ گہر ریزے ہیں جو کلام کے مقدرات کی بنا پر ان تین آیتوں میں سمٹ آئے ہیں۔ لہٰذا جب ہم ان کو دریافت کرتے ہیں تو آدمی اپنے آپ کو ہر لمحے حقائق کی دریافتوں سے مالا مال ہوتے ہوئے محسوس کرتا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

پھر آخر پر ''میری طرف لوٹنے'' کے الفاظ نے شکر کو اخلاقی حق کا درجہ دے دیا ہے کہ اس کی باز پرس ہوگی۔ جس نے نہ کیا وہ بھی مجرم ہے اور جس نے غیر کا شکر کیا وہ بھی مجرم ہے۔ ان تین آیتوں میں میں نے صرف ایک نکتے کے چند پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آدمی جس قدر ان آیات پر غور کرتا جائے گا، معنی کا جہاں اس کے سامنے کھلتا جائے گا۔ معنی کی یہ دریافت طالب کا دل موہ لیتی ہے، اس کی قوتِ دریافت کو سیراب کرتی اور نشوونما دیتی ہے۔ وہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ

نشاطِ بادہ پرستاں بہ منتہا بہ رسید
ہنوز ساقی ما بادہ در سبو دارد[4]

ان تین آیات میں مقدرات نے نہ صرف ایک جہان معانی تشکیل کیا ہے، بلکہ عربی سے واقف جانتے ہیں کہ کلام کس قدر جاذب قلب و گوش ہے۔ لہٰذا مقدرات کلام کی وہ خوبی ہے کہ جو اسے نہ صرف منظّم بنانے میں کام آتی ہے، بلکہ اس میں معنوی حسن پیدا کر کے اسے جاذب قلب و نظر بناتی ہے۔

---

[4] مے کشوں کا نشاط انتہا کو چھونے لگا ہے، (یعنی وہ سیر ہو چکے ہیں)، مگر ساقی کے مٹکے میں ابھی بھی مے باقی ہے۔

ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی

جہاد اور روح جہاد کتاب وسنت کی روشنی میں

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

جہاد آج پوری دنیا میں بحث کا موضوع بنا ہوا ہے۔ انگریزی اور دوسری مغربی زبانوں میں جہاد پر موجودہ دور کی متشدد ''جہادی'' تحریکات کے ظہور اور ان کی پر تشدد کارروائیوں کے پس منظر میں بہت کچھ لکھا جارہا ہے۔ اسلامی فقہ کا کلاسیکل تصور جہاد بھی معرض بحث میں ہے۔ اسلام کے سیاسی نظام اور بین الاقوامی تعلقات کے پس منظر میں بھی وہ اکثر وبیش تر ہدف تنقید بنتا ہے۔ وجہ ہمارے ناقص خیال میں یہ ہے کہ موجودہ فکر اسلامی اس ضمن میں جدید ذہن کے شکوک وشبہات دور کرنے میں ناکام رہی ہے۔ اس نکتہ کی وضاحت یہ ہے کہ اسلام دین فطرت ہے۔ وہ فطرت انسانی سے ہم آہنگ ہے۔ انسان کے دل کی آواز اور اس کی عقل' وجدان' جذبات اور فطرت سب کو اپیل کرتا ہے۔ آزادی فکر وشعور ہر انسان کو پسند ہے۔ کوئی انسان یہ نہیں چاہتا کہ کوئی چیز اس پر خارج سے تھوپ دی جائے۔ اس کی فطرت اس سے اِبا کرتی ہے۔ اور اسلام نے اپنی ہر ہر تعلیم میں انسان کی اس فطرت کا پورا لحاظ رکھا ہے۔ مذہبی آزادی کے سلسلہ میں اسلام کا اصول الاصول 'لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ' ''دین میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے'' (البقرہ ۲: ۲۵۶)۔ اس لحاظ سے جب ہم قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں ملتی جو انسانی عقل وفطرت کے منافی ہو، مگر روایات حدیث، فقہی آرا اور فکر اسلامی کے وسیع ذخیرہ میں ایسی بہت سی چیزیں ہیں جو اشکالات سے خالی نہیں جن کو عقل عام قبول نہیں کرتی۔ ہمارے علما وفقہا و دانش وران دور از کار توجیہیں کر کے ان کو مطابق عقل کرنے کی اپنی سی کوششیں کرتے ہیں، مگر بات کچھ بنتی نظر نہیں آتی۔ مثال کے طور پر اس بات کا دعویٰ ہر ایک کرتا ہے کہ اسلام آزادی ضمیر وآزادی دین و مذہب کا علم بردار ہے۔ پھر جب جہاد کی تشریح کرنے پر آتے ہیں تو ایک گروہ

کہتا ہے کہ جہاد کفر کے خاتمہ کے لیے ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر 'لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ' کا اصول کہاں گیا۔ ایک دوسرا گروہ کہتا ہے کہ نہیں کفر کا خاتمہ تو جہاد کا مقصد نہیں، البتہ شوکت کفر کا خاتمہ ضرور مقصود ہے، یعنی اہل کفر کو کفر پر زندہ رہنے کی تو اجازت ہے، مگر غالب پوزیشن میں نہیں، بلکہ مغلوب و ماتحت بن کر۔ لیکن اشکال سے خالی جہاد کی یہ توجیہ بھی نہیں کہ جب آپ اصولاً اہل کفر کا اپنے کفر پر باقی رہنے کا حق تسلیم کرتے ہیں تو اپنے ملک وعلاقہ میں ان کو اپنے نظام پر چلنے اور اپنی حکومت قائم کرنے کے حق سے کس بنیاد پر محروم کردیں گے؟ ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب دینا ممکن نہیں، جب کہ اس فکر کے علم بردار امن عالم اور بقاے باہم کی باتیں بھی خوب کرتے ہوں؟ تکثیریت اور تحمل برداشت اور Plural سماج کے قائل بھی ہوں؟

جہاد کے علاوہ ارتداد کی سزا پر بھی اسی طرح مختلف اشکالات وارد ہوتے ہیں جن کا اطمینان بخش عقل وروح کو مطمئن کرنے والا جواب روایتی اور موجودہ فکر اسلامی کے پاس نہیں۔ جو جوابات بھی روایتی علما، فقہ قدیم کے پرستار یا اسلام پسند حضرات دیتے ہیں، وہ روایات حدیث اور فقہی آرا کی اساس پر دیتے ہیں اور ان دونوں پر پھر اشکالات ہیں جن کی توجیہ تاویلات باردہ وتکلف کرکے کرنی پڑتی ہے۔ اس سلسلہ میں جن لوگوں نے مولانا مودودی رحمہ اللہ کا کتابچہ ''مرتد کی سزا'' پڑھا ہوگا، وہ یہ محسوس کیے بغیر نہ رہیں گے کہ مصنف بڑے زور لگا لگا کر جو عقلی جواب ڈھونڈ ڈھونڈ کر لائے ہیں، وہ خود نئے سوال کھڑے کر دیتے ہیں (اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں)۔ اسی طرح ان کا نظریہ مصلحانہ جنگ ہے۔ ہمارے خیال میں اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم مسلمان ایک بنیادی وسنگین غلطی کا شکار ہیں، وہ یہ ہے کہ اپنے دین کے سلسلہ میں ہم قرآن پاک کو اصل مصدر وسورس نہیں بناتے۔ اور بجاے اس کے کہ ہر چیز میں اسی کو اپنے لیے حکم بنائیں، کہیں اس پر روایات کو حاکم بنا ڈالتے ہیں اور کہیں فقہی آرا و مذاہب کو اس پر مسلط کر ڈالتے ہیں۔ ہم اپنے ہر سوال کا جواب اگر قرآن سے ڈھونڈیں تو ضرور کافی وشافی جواب ملے گا اور ہر اشکال ختم ہو جائے گا۔

حالیہ دنوں میں جہاد اور اس کے متعلقات پر کئی اچھی کتابیں منظر عام پر آئی ہیں۔ عربی میں ''فقہ الجہاد'' از علامہ یوسف القرضاوی، اردو میں مولانا محمد عمار خان ناصر اور مولانا یحییٰ نعمانی کی کتابیں۔ اور بالکل تازہ بہ تازہ استاذ محترم مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی کے گہر بار قلم سے ''جہاد اور روح جہاد'' آئی ہے۔ ۳۸۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب جہاد اور اس کے تمام متعلقات سے جامع انداز میں بحث کرتی ہے۔ جہاد کیا ہے، اس کی روح کیا ہے؟ اس کے مقاصد، اس کے جواز اور اس کے ثمرات ونتائج کیا ہیں، وہ کب فرض ہوتا ہے، اس کی شرائط وعناصر کیا ہیں وغیرہ تمام مباحث کا جواب انھوں نے دیا ہے۔ جہاد کے عناصر وشرائط مصنف کے نزدیک پانچ ہیں۔ بلند ایمانی کردار، محکم اجتماعیت،

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

صالح و compitent قیادت، مستقبل کی منصوبہ بندی اور آزاد سلطنت۔ اس کتاب کی اصل خوبی جو اسے دوسری تمام کتابوں سے ممتاز کرتی ہے، یہ ہے کہ مصنف نے بحث کی اصل صرف اور صرف کتاب اللہ کو بنایا ہے۔ جتنے اعتراضات، شبہات وسوالات پیدا ہوتے ہیں، ان کا شافی وکافی جواب خود قرآن کی روشنی میں دیا ہے۔ کتاب کے ایک باب جہاد عصر حاضر میں انھوں نے ''جہادی تحریکوں'' اور ان کے حامیوں کے دلائل کا جائزہ لیا ہے اور ان کے مغالطوں کو آشکارا کیا ہے۔

استاذ محترم مولانا عنایت اللہ سبحانی فراہی مکتب فکر کے نہایت ممتاز عالم اور قرآن کریم سے گہرا شغف رکھتے ہیں۔ قرآن پاک پر غور وفکر ہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ وہ حدیث وفقہ، آراء سلف اور معاصر علمائے کرام کی تحقیقات سے استفادہ کرتے ہیں، مگر قرآن کی روشنی میں۔ ان کے ہاں ردوقبول کا اصل معیار صرف اور صرف یہی کتاب عزیز ہے۔ لہٰذا روایاتِ حدیث، ائمۂ فقہ کے مذاہب اور آراء سلف وغیرہ ان کی راہ میں روڑے نہیں بنتے۔ وہ ان میں سے کسی بھی چیز کے اسیر نہیں، لہٰذا قرآن کی روشنی میں وہ ساری وادیاں بہ آسانی قطع کر لیتے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مصنف جہاد اقدام اور جہاد دفاع دونوں کے قائل ہیں، مگر وہ صاف طور پر کہتے ہیں کہ جہاد نہ کفر کی وجہ سے ہوتا ہے، نہ شوکت کفر کو توڑنے کے لیے، بلکہ صرف اور صرف جارحیت کے مرتکب اور ظلم وجبر کرنے والے کافروں سے ہوتا ہے۔ مولانا نے تفصیل سے عام علما وفقہا کے موقف اور مولانا مودودی (بغیر نام لیے) دونوں کے موقف کا جائزہ لیا ہے اور دونوں کو دلائل کی بنیاد پر رد کر دیا ہے (ملاحظہ ہو جہاد اور روح جہاد صفحہ ۴۵ تا ۸۵)۔ وہ فرماتے ہیں: ''مسلح جہاد کا مقصد ہے اس زمین سے ظلم واستبداد کو ختم کرنا اس دھرتی پہ بسنے والے انسان کی آزادی وعزت کی حفاظت کرنا'' (صفحہ ۸۸ وہی کتاب)۔ مصنف کے مطابق امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ جمہور علما کا موقف بھی یہی ہے، یعنی ان کے دور تک علما کی بڑی تعداد اسی کی قائل تھی۔

اس سلسلہ میں ایک تیسرا موقف مولانا امین احسن اصلاحی اور ممتاز عالم دین اور مفکر جناب جاوید احمد غامدی کا ہے کہ اتمام حجت اگر کسی گروہ پر کر دی جائے تو پھر اس گروہ کو اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی تلواروں سے سزا دلواتے ہیں۔ اس موقف کی بنیاد سورۂ براءت کی یہ آیت ہے: 'قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ'، ''ان سے لڑو، اللہ تمھارے ہاتھوں سے ان کو سزا دلوائے گا اور انھیں ذلیل وخوار کرے گا اور ان کے مقابلے میں تمھاری مدد کرے گا'' (۹:۱۴)۔ غامدی صاحب کی تشریح میں یہ نبی کے براہ راست مخاطبین کا حکم ہے۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس حکم کا اطلاق نہ ہوگا، کیونکہ اب ویسے اتمام حجت کی کوئی شکل نہیں رہ گئی، جیسا نبی کے ذریعے سے ہوا کرتا

ہے۔ مولانا سبحانی کہتے ہیں کہ قرآن میں اتمام حجت کے بعد بھی کوئی سزا بیان نہیں کی گئی اور جو سزا بیان کی گئی، وہ آخرت سے متعلق ہے، اس لیے وہ کہتے ہیں کہ جہاد اصلاً جبر وظلم کی قوتوں کے خلاف ہوتا ہے جو اسلامی دعوت پر حملہ آور ہوتی ہیں، عام لوگوں کو اپنا غلام بنا لیتی ہیں اور جو اللہ کے دین اور ان کے درمیان رکاوٹ بن جاتی ہیں (دیکھیے اسی کتاب کا صفحہ ۹۵)۔ غامدی صاحب نے اپنے موقف کی جو وضاحت ''میزان'' میں کی ہے، اُس سے سبحانی صاحب نے تعرض نہیں کیا ہے۔

موجودہ دور کی مسلح تحریکات حضرت ابوبصیر اور ابوجندل کے واقعات سے دلیل پکڑتی ہیں کہ کہیں بھی اگر ۵، ۷ ہم خیال لوگوں کا ایک جتھا جمع ہو جائے تو ان کے لیے جہادی کارروائیاں کرنا جائز ہو جائے گا۔ وہ غیر مسلم عوام کو بھی حربی فرض کر کے ان کو مباح الدم سمجھتے ہیں۔ ہندوستان میں ایک بزرگ مولانا عبدالعلیم اصلاحی اسی نقطۂ نظر کی نمایندگی کرتے ہیں اور اس کی حمایت میں کئی کتابچے لکھے ہیں۔ جلد باز اور جوشیلی طبیعتوں کا ایک گروپ ان سے متاثر ہو رہا ہے۔ مصنف مدظلہ نے اس خطرناک رجحان کا بھی بروقت نوٹس لیا ہے اور ان کے استدلال کی بنیادی خامی کی وضاحت کی ہے (ملاحظہ ہو: ۳۱۸ تا ۳۳۴)۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جزیے کے سلسلے میں مولانا کی رائے یہ ہے کہ اس کو فکر اسلامی میں غلط طور پر لیا گیا ہے۔ اس کا تعلق عوام سے ہے ہی نہیں وہ تو ایک ٹیکس ہے اور مغلوب حکومت سے لیا جاتا ہے نہ کہ عام لوگوں سے۔ مولانا کے جنگی قیدیوں کے نزدیک غلامی کا بھی کوئی جواز نہیں ہے، اس لیے قرآن 'فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً' (محمد ۴۷: ۴) دو ہی حکم جنگی قیدیوں کے بیان کرتا ہے (دیکھیے: ۲۷۶) سرسید کا موقف بھی یہی تھا اور اس کے لیے انھوں نے ایک پورا رسالہ ابطالِ غلامی پر لکھا تھا۔

کتاب میں مولانا سبحانی نے موضوع سے متعلق بہت سے فقہا و علما، مفسرین اور موجودہ مفکرین کے خیالات پر تنقید فرمائی ہے۔ ان کے بعض اقوال تو نقل کر دیے ہیں، مگر نہ ان کا نام لیا ہے، نہ ان کی کسی تحریر کا حوالہ دیا ہے۔ شاید انھوں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی۔ خاک سار تبصرہ نگار کی راے میں ان کا نام لینا اور تحریروں کا حوالہ دیا جانا بہت ضروری تھا، اس لیے کہ موجودہ دور میں عموماً جہاد کے بارے میں جتنے غلط رجحانات و تشریحات رائج ہیں اور جو کنفیوژن پھیلا ہوا ہے، وہ انھی حضرات کی فکر و تحریر سے پھیلا ہے، اس لیے اس مسئلہ میں کوئی رعایت نہیں کی جانی چاہیے۔

صلح حدیبیہ: صلح حدیبیہ اسلام کی تاریخ میں ایک Turning Point ہے۔ اس میں مسلمان دفاع کے بجاے اقدام کی پوزیشن میں آ گئے تھے اور دعوتی سرگرمیاں بھی تیزی سے پھیلیں۔ مولانا وحیدالدین خاں نے اس پر بہت

کچھ لکھا ہے، مگر وہ اس کا صرف ایک پہلو ذکر کرتے ہیں صلح والا، اور اس کے دوسرے مضمرات سے صرف نظر کر جاتے ہیں۔ مولانا عنایت اللہ سبحانی نے اس پر مولانا خان صاحب کا بغیر نام لیے دلائل کے ساتھ تعاقب کیا ہے اور صلح حدیبیہ کی صحیح نوعیت کو واضح کیا ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۸۵)۔

سیرت نبوی میں بنو قریظہ کا واقعہ بہت مشہور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کے تمام جنگ کر سکنے والے مردوں کو قتل اور عورتوں و بچوں کو غلام بنالیا تھا۔ مستشرقین اور معاندین کو بڑا مسالا اپنے معاندانہ پروپیگنڈے کے لیے اس واقعہ سے ملتا ہے۔ سبحانی صاحب نے اس واقعہ کی تحقیق کی ہے، جن سندوں سے یہ مروی ہوا ہے، ان کے راویوں کا جائزہ لیا اور درایتاً بھی اس پر تنقیدی نظر ڈال کر اس کو کلیتاً مسترد کر دیا ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۷)۔ موجودہ دور میں حادثہ قریظہ پر اور تحقیقات منظر عام پر آئی ہیں۔ ایک اور مصنف نے بھی اچھی داد تحقیق دی ہے۔ اور ڈاکٹر محمود احمد غازی کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ اپنی دوسری تمام تحریروں وتقریروں کی طرح مؤلف گرامی نے صرف قرآن کریم اور صحیح احادیث کو اپنی بحث کی اصل بنیاد بنایا اور یہی اس کتاب کی اصل خوبی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں: ''جہاد و قتال کے سلسلہ میں علماء کے ذوقی اجتہادات پر اعتماد کرنا صحیح نہیں ہے، چاہے وہ آج کے علماء ہوں یا پچھلے ادوار کے۔ ضروری ہے اس سلسلہ میں براہ راست قرآن وسنت سے رہنمائی حاصل کی جائے۔ علماء وفقہاء کی بس وہی باتیں قابل قبول ہوتی ہیں جو قرآن وسنت کے محکم دلائل پر مبنی ہوں۔ رہیں وہ رائے جو ان کے محض ذوق وفہم کی پیداوار ہوں تو اس طرح کے اہم معاملات میں وہ حجت نہیں بن سکتیں'' (جہاد اور روح جہاد صفحہ ۳۱۸)۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مسلم حکمرانوں کے خلاف خروج کا مسئلہ: ظالم مسلم حکمرانوں کے خلاف خروج کے مسئلہ میں اہل علم کی اکثریت کا خیال ہے کہ جب تک ان کی طرف سے کفر بواح کا ظہور نہ ہو، خروج جائز نہیں۔ امام نووی اس کو اجماعی رائے بتاتے ہیں۔ تاہم امام ابوحنیفہ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اگر خروج کرنے والوں کے پاس مناسب حکمت عملی، کافی قوت اور متبادل نظم موجود ہو اور خروج کی کامیابی کے امکانات زیادہ ہوں تو خروج کر دینا چاہیے۔ یہی رائے مصنف کتاب نے بھی اختیار کی ہے۔ اور سلسلہ میں وارد کئی روایتوں پر سنداً اور درایتاً کلام بھی کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جو اجماعی رائے اس مسئلہ میں بیان کی جاتی ہے، وہ کوئی حتمی مسئلہ نہیں، بلکہ وقتی علاج تھا کہ اس کو دائمی حکم ماننے کی صورت میں کبھی اصلاح احوال کی گنجایش نکلے گی ہی نہیں۔ البتہ یہاں یہ سوال بجا طور پر اٹھتا ہے کہ تاریخ اسلام کا سبق کیا ہے۔ بنی امیہ کا تختہ پلٹ کرنے کے لیے ہاشمیوں اور عباسیوں نے خفیہ تحریک چلائی۔ جب وہ کامیاب ہوگئی تو آغاز ہی میں بنوامیہ کو چن چن کر قتل کر دیا گیا۔ ایک اموی شہزادے نے بھاگ کر جان بچائی اور اندلس جا کر ایک نئی خلافت کی داغ بیل ڈال دی۔

عباسی تحریک علویوں کے حق کے نام پر چلائی گئی تھی، مگر جب عباسی خلفا نے بھی علویوں کو خفیہ طور پر ختم کرنا شروع کر دیا تو ردعمل میں انھوں نے افریقہ میں جا کر فاطمی خلافت قائم کر لی۔ یوں ایک خلافت تین معاصر اور معاند قوتوں میں بکھر کر رہ گئی۔ موجودہ دور میں قائم شدہ حکومتوں کے خلاف خروج کے نتائج مصر، سیریا، عراق اور لیبیا میں سب کے سامنے ہیں!

مصنف کہتے ہیں کہ موجودہ دور میں کرنے کا کام: موجودہ دور میں اصل کام یہ نہیں کہ یوں ہی تلوار ہاتھ میں لے کر معصوموں کا قتل، خودکش بمباری وغیرہ جیسے غیر اسلامی کام کیے جائیں۔ اصلاح احوال کے سلسلہ میں پہلا کام ہے: فرزندان اسلام کی تعلیم وتربیت کا زبردست اہتمام۔ دوسرا یہ ہے کہ امیج بلڈنگ ہو، اسلام کی ایک دلکش تصویر لوگوں کے سامنے لائیں۔ غلط فہمیاں دور کریں۔ اور چونکہ آج طاقت کی علامت یا طاقت کا پیمانہ علم، سائنس اور جدید تکنالوجی ہے بغیر ان کے کوئی جنگ نہیں لڑی جاسکتی نہ کوئی صالح انقلاب برپا کیا جاسکتا ہے، اس لیے علمی دوڑ میں بھرپور حصہ لیں اور علم وسائنس کے میدان میں دوسری قوموں سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ یہ علم وسائنس مسلم امت کی میراث ہے۔ یہ ہمارے بزرگ اسلاف کی ایجاد ہے، یہ علم وسائنس کتابِ الٰہی کا فیضان ہے (خلاصہ)۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کتاب میں سیرت کے کئی جزوی واقعات، مثلاً کعب بن اشرف کا قتل، عقبہ بن ابی معیط کا قتل، فتح مکہ کے موقع پر کئی لوگوں کے خون کو مباح کر دینے کا قصہ وغیرہ بھی زیر بحث آئے ہیں۔ مولانا کی تحقیق عام سیرت نگاروں سے الگ ہے۔ اس کے علاوہ جہاد وقتال سے متعلقہ متعدد آیات کریمہ کی صحیح تاویل اور نئی تفسیر سامنے آتی ہے۔ انھوں نے ضمناً یہ بات بھی واضح کی ہے کہ امت مسلمہ کو کس قسم کے ہتھیار بنانے چاہییں اور کن ہتھیاروں کی مخالفت کرنی چاہیے۔ کئی مباحث ایسے ہیں جن پر مزید تحقیق کی گنجایش معلوم ہوتی ہے۔ کل ملا کر یہ کتاب اس اہم موضوع پر نہایت علمی اور ہر خاص وعام کے لیے قابل مطالعہ ہے۔ مصنف کا اسلوب خالص علمی اور خشک تحقیقی نہیں، بلکہ اس میں ادبی وتذکیری پہلو بہت ابھرا ہوا ہے اور انھوں نے لکھا بھی تفصیل واطناب کے ساتھ ہے۔ مگر غیر ضروری جزئیات اور تفصیلات سے دامن بچایا ہے۔ مصنف گرامی بنیادی طور پر قرآن کریم کے ماہر اور مفسر ہیں۔ وہ انسانوں سے محبت رکھتے ہیں۔ ان کی تحریریں دعوتی، فکری اور اصلاحی ہوتی ہیں اور قاری کو جذبۂ عمل پر ابھارتی ہیں، اور عقل کو مطمئن کرنے کے ساتھ ہی دل کے تاروں کو چھیڑتی اور انسانی ضمیر کو آواز دیتی ہیں۔ کتاب میں تفسیر، حدیث، فقہ وسیرت وتاریخ کے بہت سے واقعات ومباحث بھی مختصراً زیر بحث آ گئے ہیں۔ امید ہے کہ جہاد اور اس کے متعلقات پر اس کتاب سے نیا ڈسکورس شروع ہوگا، کیونکہ اس میں پہلی بار فقہا وتحریکات اسلامیہ کے روایتی موقف جہاد پر تنقید

کی گئی ہے۔ کتاب اہل فکر اور اہل تحقیق کو مزید غور و فکر اور بحث و تحقیق کی دعوت دیتی ہے۔ کوئی بھی تحقیق حرف آخر نہیں ہوتی۔ جو مباحث مصنف گرامی نے اٹھائے ہیں اور ان کے دلائل دیے ہیں، ضروری ہے کہ اہل علم ان پر اظہار خیال کریں۔ راقم خاک سار کے نزدیک قرآن پاک کے طالبین اس کے اصل مخاطب ہیں اور ان کو آگے بڑھ کر اس کی طرف توجہ کرنی چاہیے اور اس بحث کو آگے بڑھانا چاہیے۔ کتاب کا عربی و انگریزی ترجمہ بھی آنا چاہیے۔ مناسب گٹ اپ میں ہدایت پبلشرز ایف ۱۵۵ فلیٹ ۲۰۴ ہدایت اپارٹمنٹ شاہین باغ جامعہ نگر نئی دہلی نے یہ وقیع کتاب شائع کی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اشاریہ

نعیم احمد

اشاریہ ماہنامہ ''اشراق'' ۲۰۱۷ء

قرآنیات

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
جنوری	البیان: بنی اسرائیل ۱۷: ۴۰-۵۷ (۴)	جاوید احمد غامدی	۹
فروری	البیان: بنی اسرائیل ۱۷: ۵۸-۶۵ (۵)	〃	۹
مارچ	البیان: بنی اسرائیل ۱۷: ۶۶-۸۴ (۶)	〃	۱۰
اپریل	البیان: بنی اسرائیل ۱۷: ۸۵-۱۱۱ (۷)	〃	۹
مئی	البیان: الکہف ۱۸: ۱-۸ (۱)	〃	۱۸
جون	البیان: الکہف ۱۸: ۹-۲۶ (۲)	〃	۷
جولائی	البیان: الکہف ۱۸: ۲۷-۴۹ (۳)	〃	۹
اگست	البیان: الکہف ۱۸: ۵۰-۵۹ (۴)	〃	۱۴
ستمبر	البیان: الکہف ۱۸: ۶۰-۸۲ (۵)	〃	۱۳
اکتوبر	البیان: الکہف ۱۸: ۸۳-۹۸ (۶)	〃	۱۳
نومبر	البیان: الکہف ۱۸: ۹۹-۱۱۰ (۷)	〃	۹
دسمبر	البیان: مریم ۱۹: ۱-۱۵ (۱)	〃	۲۰

www.javedahmedghamidi.com
www.al-mawrid.org

معارف نبوی

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
جنوری	جنت کے اعمال (۵)	جاوید احمد غامدی/ محمد حسن الیاس	۱۵
″	دین میں نئی بات نکالنا	جاوید احمد غامدی/ محمد عامر گزدر	۲۱
″	منصب رسالت اور دنیوی معاملات	″	۲۹
″	حج فرض یا حج نذر	معز امجد/ شاہد رضا	۳۸
فروری	جنت کے اعمال (۶)	جاوید احمد غامدی/ محمد حسن الیاس	۱۴
″	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و عمل کی روایت	جاوید احمد غامدی/ محمد عامر گزدر	۲۰
″	امام کے ساتھ نماز تہجد	معز امجد/ شاہد رضا	۳۵
مارچ	دوزخ کے اعمال (۱)	جاوید احمد غامدی/ محمد حسن الیاس	۱۷
″	ڈاڑھی مونچھ کی متکبرانہ وضع اور مذہبی لوگوں کی بدعتیں	جاوید احمد غامدی/ محمد عامر گزدر	۲۶
اپریل	دین میں آسانی	″	۱۸
″	مسلمان کی تکفیر	″	۳۵
مئی	دوزخ کے اعمال (۲)	جاوید احمد غامدی/ محمد حسن الیاس	۲۲
″	لباس کی متکبرانہ وضع	جاوید احمد غامدی/ محمد عامر گزدر	۳۰
جون	خوش لباسی اور تکبر	″	۱۸
جولائی	دوزخ کے اعمال (۳)	جاوید احمد غامدی/ محمد حسن الیاس	۱۶

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
اگست	دوزخ کے اعمال (۴)	جاوید احمد غامدی/ محمد حسن الیاس	۱۹
؍	اگلوں کی پیروی	جاوید احمد غامدی/ محمد عامر گزدر	۲۹
ستمبر	دوزخ کے اعمال (۵)	جاوید احمد غامدی/ محمد حسن الیاس	۲۰
؍	میرا اور میرے خلفاے راشدین کا طریقہ	جاوید احمد غامدی/ محمد عامر گزدر	۲۶
نومبر	دوزخ کے اعمال (۶)	جاوید احمد غامدی/ محمد حسن الیاس	۱۳

دین و دانش

جون	روزہ اور برکات روزہ	مولانا امین احسن اصلاحی	۳۴
؍	آفات روزہ اور ان کا علاج	؍	۴۳
؍	فضائل رمضان	محمد رفیع مفتی	۴۹
؍	ماہ رمضان: فضائل اور برکتیں	محمد وسیم اختر مفتی	۵۲
؍	روزہ اور تزکیۂ نفس	شاہد رضا	۵۵

شذرات

جنوری	اسلام اور فنون لطیفہ	سید منظور الحسن	۴
فروری	کشمیر کا مسئلہ ــــ جناب جاوید احمد غامدی کا موقف	؍	۴
مارچ	مذہبی انتہا پسندی	جاوید احمد غامدی	۴
؍	فرار کب تک؟	خورشید احمد ندیم	۷
اپریل	قومی تعمیر میں مذہبی قیادت کا کردار	سید منظور الحسن	۴

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
مئی	جوابی بیانیہ: مولانا مفتی منیب الرحمٰن کے تاثرات کا جائزہ	سید منظور الحسن	۴
جون	روزہ	جاوید احمد غامدی	۴
جولائی	علما کی اصل ذمہ داری	سید منظور الحسن	۴
〃	اہل دعوت کا مسئلہ	〃	۶
اگست	قرآن مجید اور مصوری	〃	۴
ستمبر	احادیث اور مصوری کی شناعت	〃	۴
اکتوبر	مصوری کی حرمت کے استدلال کا جائزہ	〃	۴
نومبر	تصویر اور آرایش سے اجتناب: ایک روایت کا مطالعہ	〃	۴
〃	تنقید	〃	۷
〃	تقلید	〃	۷
دسمبر	حدیث وسنت کی حجیت: جناب جاوید احمد غامدی کا موقف	〃	۴
〃	ماہنامہ ''اشراق''، ممبئی (انڈیا) کا آغاز	〃	۱۲
〃	ماہنامہ ''اشراق''، ممبئی (انڈیا) کے ابتدائی شمارے کا اداریہ	محمد ذکوان ندوی	۱۲

نقطۂ نظر

جنوری	ترجمے کا سہو	محمد وسیم اختر مفتی	۵۹
〃	نظم اجتماعی اور اطاعت امیر	شاہد رضا	۷۰
فروری	متن حدیث میں ہمارے تصرفات (۲)	ساجد حمید	۴۸
اپریل	متن حدیث میں ہمارے تصرفات (۳)	〃	۴۹
مئی	مذہبی انتہاپسندی کا بیانیہ	خورشید احمد ندیم	۷۵
〃	جوابی بیانیہ اور قومی بیانیہ — ایک تقابلی جائزہ	عدنان اعجاز	۷۸
ستمبر	متن حدیث میں ہمارے تصرفات (۴)	ساجد حمید	۵۸

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
اکتوبر	کیا انسان اللہ کا خلیفہ ہے: ایک قرآنی مطالعہ	ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی	۴۹
نومبر	مدیر ''البرہان'' کی خدمت میں	″	۵۸
دسمبر	جہاد اور روح جہاد کتاب وسنت کی روشنی میں	″	۴۱

سیر و سوانح

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
جنوری	حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا	محمد وسیم اختر مفتی	۴۳
فروری	حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا	″	۳۷
مارچ	حضرت حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ	″	۴۰
اپریل	حضرت سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ	″	۴۳
″	حضرت سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ	″	۴۶
مئی	حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ (۱)	″	۵۶
جون	حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ (۲)	″	۵۷
جولائی	حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ	″	۲۷
اگست	حضرت عبداللہ بن مظعون رضی اللہ عنہ	″	۳۹
ستمبر	حضرت سائب بن عثمان رضی اللہ عنہ	″	۳۳
اکتوبر	حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا	″	۲۱
نومبر	حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ	″	۲۴
دسمبر	حضرت عیاش بن ابو ربیعہ رضی اللہ عنہ	″	۲۷

مقالات

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
مئی	قانون اتمام حجت اور اس کے اطلاقات: نمایاں اعتراضات کا جائزہ (۱)	ڈاکٹر عرفان شہزاد	۶۴

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
جون	قانون اتمام حجت اور اس کے اطلاقات: نمایاں اعتراضات کا جائزہ (۲)	ڈاکٹر عرفان شہزاد	۶۶
جولائی	الحاد جدید اور ہم	ساجد حمید	۳۳
"	قانون اتمام حجت اور اس کے اطلاقات: نمایاں اعتراضات کا جائزہ (۳)	ڈاکٹر عرفان شہزاد	۶۳
اگست	مسئلۂ شر اور انکار خدا	ساجد حمید	۴۴
"	قانون اتمام حجت اور اس کے اطلاقات: نمایاں اعتراضات کا جائزہ (۴)	ڈاکٹر عرفان شہزاد	۵۹
ستمبر	قانون اتمام حجت اور اس کے اطلاقات: نمایاں اعتراضات کا جائزہ (۵)	"	۳۸
اکتوبر	قانون اتمام حجت اور اس کے اطلاقات: نمایاں اعتراضات کا جائزہ (۶)	"	۲۵
نومبر	نظم قرآن کیا خارج سے ماخوذ ہے؟	ساجد حمید	۴۲
"	دین میں معیار حق: شخص یا اصول	ڈاکٹر عرفان شہزاد	۵۲
دسمبر	کلام کی ایک اہم خوبی: مقدرات	ساجد حمید	۳۳

خطبات

جنوری	اسلام، اسلام ازم اور مغرب	ابو یحییٰ	۵۰
مارچ	قرآن و حدیث اور عورت کا دائرۂ کار	ساجد حمید	۴۴

اصلاح ودعوت

ستمبر	اسباب اور کھجور	ابو یحییٰ	۷۵
"	شوق اور خوف	"	۷۶
"	شکر اور صبر	"	۷۶

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

شمارہ	عنوان	مصنف	صفحہ
ستمبر	کردار کی عظمت	ابو یحییٰ	۷۸
؍	نبی کی رحمت نبی کی معرفت	؍	۷۹
؍	سورۂ ص کے دو کردار	؍	۸۱

یسئلون

اگست	یسئلون	رضوان اللہ	۸۰

ادبیات

جنوری	غزل	جاوید احمد غامدی	۷۳
فروری	غزل	؍	۸۱
مارچ	غزل	؍	۷۳
اپریل	غزل	؍	۶۵
مئی	غزل	؍	۹۰

وفیات

نومبر	مختار علی شاہ: یادیں اور تاثرات	محمد وسیم اختر مفتی	۶۷
؍	سید مختار علی شاہ کی یاد میں!	نعیم احمد بلوچ	۷۲

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

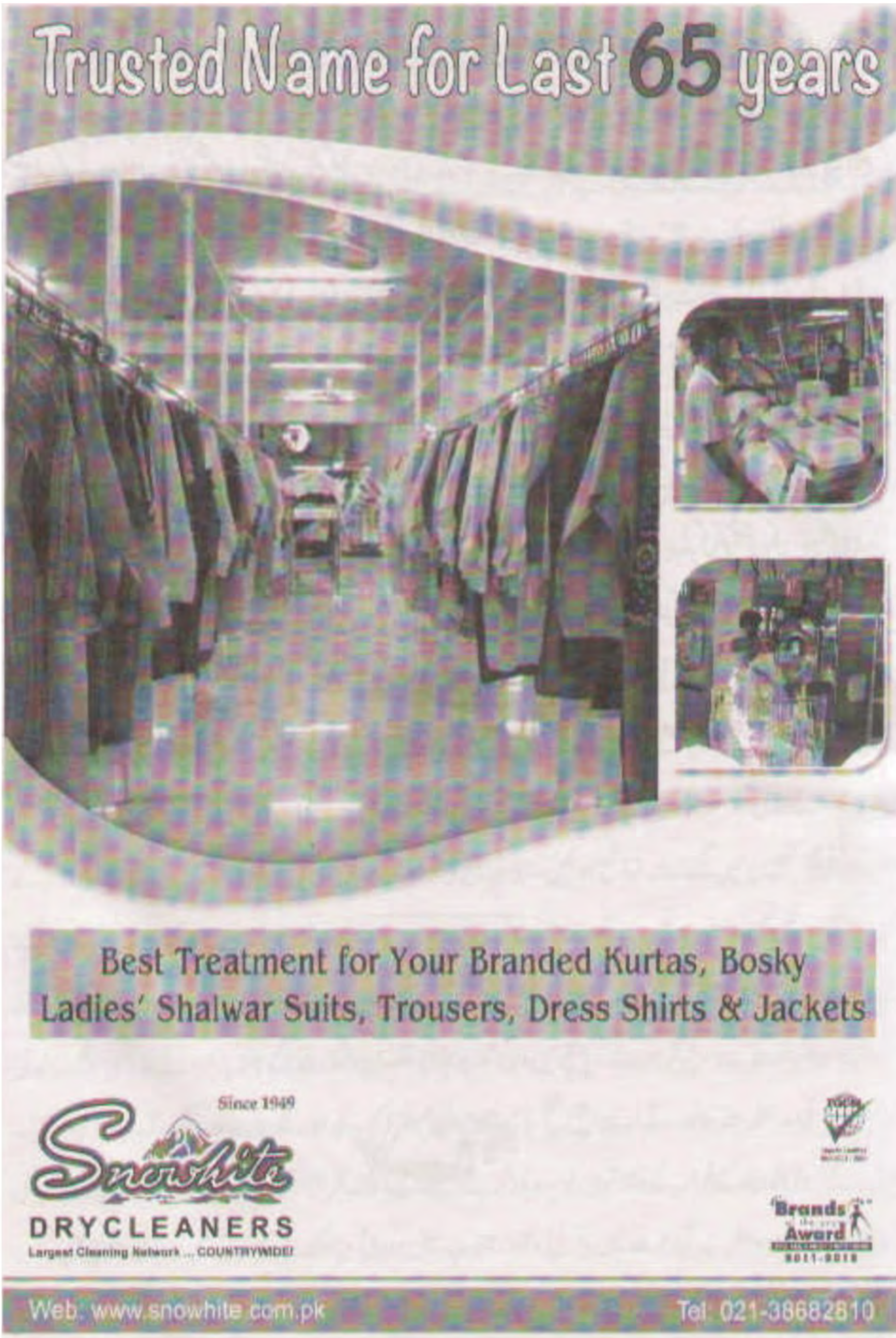
Trusted Name for Last 65 years
Best Treatment for Your Branded Kurtas, Bosky
Ladies' Shalwar Suits, Trousers, Dress Shirts & Jackets
Since 1949
Snowhite
DRYCLEANERS
Largest Cleaning Network ... COUNTRYWIDE!
Brands Award
Web: www.snowhite.com.pk
Tel: 021-38682810

Monthly
ISHRAQ
Lahore

December 2017
Vol.29 No.12
Regd. No. CPL- 183

Publisher : Javed Ahmad Ghamidi Printers : Qaumi Press, 50 Lower Mall Lahore

لئن شکرتم لازیدنکم
اگر شکر کرو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا (القرآن)

PRAISE BE TO ALLAH, LORD OF THE WORLDS

within 250 days
150+ keep counting...

ALLIED SCHOOLS
Project of Punjab Group of Colleges

Allied Pre School
Allied School
Growing Together

Ar-Rahman Campus-JHELUM
Outside Classroom Education
Inter-Campus Transfer
Sahi Campus-SHAHKOT
Al-Fajar Campus-LAHORE
Ghazi Campus-OKARA
Rehman Campus-GUJRANWALA
Pak Campus-LAHORE
Web Portal
Parent-Teacher Meetings
Harbanspura Classic Campus-LAHORE
Sialkot Campus-SIALKOT
Al-Miraj Campus-LAHORE
Sibling Discount
Sir Syed Campus-LAHORE
Capital Campus-ISLAMABAD
Ellahabad Campus-ELLAHABAD
Cantt Campus-GUJRANWALA
Ferozpur Road Campus-LAHORE
Raiwand Road Campus-LAHORE
Sargodha Road Campus-FAISALABAD
Farooqabad Campus-FAROOQABAD
Jhelum Campus-JHELUM
Marrium Campus-JOHARABAD
Spoken English
Character Building
Grace Campus-LAHORE
Gojra Campus-GOJRA
Lodhran Campus-LODHRAN
Bhimber Campus-BHIMBER
Shakargarh Campus-SHAKARGARH
Standardized Curriculum
Shalimar Campus-FAISALABAD
Sahiwal Campus-SAHIWAL
Entry Test Preparation
DC Road Campus-GUJRANWALA
Ali Pur Chattah Campus-ALI PUR CHATTAH
Al-Ahmad Campus-LAHORE
Bahawalpur Campus-BAHAWALPUR
Mock Assessment
Educational Insurance
Tulip Campus-LAHORE
Satellite Town Campus-GUJRANWALA
Bilal Campus-BHALWAL
Professional Development of Teachers
Zafarwal Campus-ZAFARWAL
Attendance by SMS
Concept-Based Teaching
Wapda Town Campus-GUJRANWALA
Exclusive Early Years Education
Burewala Campus-BUREWALA
Husnain Campus-SAMBRIAL
Bedian Campus-LAHORE
Peshawar Road Campus-RAWALPINDI
Gulshan-e-Ravi Campus-LAHORE
Samanabad Campus-LAHORE
Sadar Campus-LAHORE
Satellite Town Campus-RAWALPINDI
GT Road Campus-GUJRANWALA
Kamalia Campus-KAMALIA
Extra & Co-curricular Activities
Ar-Raheem Campus-DINA
Walton Campus-LAHORE
Johar Town Campus (South)-LAHORE
Merit Scholarships
Career-Path Counseling
Akbar Campus-VEHARI
Hyderabad Campus-HYDERABAD
Samanabad Campus-FAISALABAD
Kamoke Campus-KAMOKE
Chauburji Campus-LAHORE
Sargodha Campus-SARGODHA
Dunyapur Campus-DUNYAPUR
Peoples Colony Campus-FAISALABAD
Hafizabad Campus-HAFIZABAD
Chichawatni Campus-CHICHAWATNI
Wazirabad Campus-WAZIRABAD
Subhan Campus-PATTOKI
PECO Road Campus-LAHORE
Art, Craft & Music
Allama Iqbal Town Campus-LAHORE
International Standards
Peoples Colony Campus-GUJRANWALA
Kasur Campus-KASUR
Al-Fateh Campus-KOT ABDUL MALIK
Dinga Campus-DINGA
Johar Town Campus (North)-LAHORE
Kotla Campus-KOTLA ARAB ALI KHAN
Thana Campus-MALAKAND AGENCY
Ahmed Campus-RAHIM YAR KHAN
Faisalabad Campus-FAISALABAD
Muridke Campus-MURIDKE
Salaar Campus-RAWALPINDI
Swat Campus-SWAT
Lalamusa Campus -LALAMUSA
Madina Campus-FAISALABAD
Teaching through Animation
Fatima Campus-DASKA
Adyala Campus-RAWALPINDI
Oasis Campus-BAHAWALPUR
Taunsa Campus Campus-TAUNSA SHARIF
Rahim Yar Khan Campus-RAHIM YAR KHAN
English Medium
Mumtaz Campus-MULTAN
Health & Hygiene Guidance
Narowal Campus-NAROWAL
Jinnah Campus-NOWSHERA VIRKAN
Jalal Pur Jattan Campus-JALAL PUR JATTAN
Bukhtiyari Campus-LAHORE
Malakwal Campus-MALAKWAL
Sadiqabad Campus-SADIQABAD
DG Khan Campus-DERA GHAZI KHAN
Gujrat Campus (South)-GUJRAT
Mirpur Campus-MIRPUR AZAD KASHMIR
Playgroup to University Education
Quaid Campus-TOBA TEK SINGH
Model Town Campus-GUJRANWALA
Mandi Bahauddin Campus-MANDI BAHAUDDIN
Mouaz Campus-MANANWALA
Al-Ghaffar Campus-SARA-E-ALAMGIR
Chenab Campus-PARHIANWALI
Bhakkar Campus-BHAKKAR
Qila Didar Singh Campus-QILA DIDAR SINGH
Zaimez Campus-SHEIKHUPURA
Hujra Shah Muqeem Campus-HUJRA SHAH MUQEEM

Group Corporate Office, Allied Schools & Punjab Colleges, 64-E-I, Gulberg III, Lahore - Pakistan. Ph: 042 35756357-58
www.alliedschools.edu.pk